# اردو لُغت نگاری:
# روایت اور اِرتقا

(ڈاکٹر) نذیر آزاد

# اردو لُغت نگاری:
# روایت اور اِرتقا

(ڈاکٹر) نذیر آزاد

اے۔ آر۔ آزاد میموریل فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) پلوامہ، کشمیر

© جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں:

نام کتاب : اردو لغت نگاری... روایت اور ارتقا

مصنّف : ڈاکٹر نذیر آزاد

پتہ : ☆ آزاد منزل کوئل پلوامہ (کشمیر) ۱۹۲۳۰۱

☆ آزاد منزل، نزدیک DPS ہمہ ہامہ سرینگر (کشمیر)

فون نمبرات: ۰۹۷۹۷۷۳۱۴۵۵، ۰۹۷۹۷۷۳۱۴۵۶، ۰۹۸۵۸۷۷۵۳۱۷

زیر اہتمام : مُنیر آزادؔ

کمپوزنگ : TFC سنٹر، مدینہ چوک گاؤ کدل، سرینگر # ۲۴۷۳۸۱۸

طباعت : الحیات پرنٹو گرافرس، مدینہ چوک گاؤ کدل سرینگر

سنہ اشاعت: ۲۰۰۹ء

قیمت : ۳۵۰/روپے

ناشر : اے۔آر۔آزاد میموریل فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

کوئل، پلوامہ (کشمیر)

**URDU LUGAT NIGARI**
**RAWAYAT AUR IRTIQA**
**BY: (DR.) NAZIR AZAD**

## ملنے کے پتے

۱) میزان پبلی کیشنز، سرینگر (کشمیر)

۲) کتاب گھر، امیرا کدل سرینگر (کشمیر)

۳) TFC سنٹر، گاؤ کدل سرینگر (کشمیر)

۴) شب خون کتاب گھر۔ رانی منڈی، الہ آباد

# انتساب

اچاریوں، صوفیوں، عالموں اور شاعروں کی سرزمین

**کشمیر**

کے نام

ہے کلہن غنی تہٕ صرفی سیراب گرِی یِمو آبن

سُے آب سانہ باپتھ زہرِ ہلال آسیا

(عبدالاحد آزاد)

(مورخ) کلہن (شاعر) غنی اور (عالم وصوفی) صرفی

کو جس پانی نے سیراب کیا،

وہ پانی ہمارے لیے زہرِ ہلاہل کیونکر ہو سکتا ہے۔

○○○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى
الْمَلاَئِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَـؤُلاءِ
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ قَالُواْ سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ
لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○

(القرآن: سورہ بقرہ، آیت: ۳۱-۳۲)

---

ترجمہ: ''اور (اللہ نے) آدمؑ کو سب کے نام سکھائے
پھر ان (چیزوں) کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا مجھے
ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔
انھوں نے کہا تو پاک ہے، ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو
تو نے ہمیں سکھایا، بیشک تو علم والا، حکمت والا ہے''

# فہرست

| عنوان | صفحہ نمبر |
| --- | --- |
| دیباچہ (از پروفیسر نذیر احمد ملک) : | ۷ |
| پیش گفتار : | ۱۱ |
| لغت نگاری کی اہمیت : | ۱۷ |
| لغت، فرہنگ، قاموس : | ۴۲ |
| عربی لغت نگاری کی روایت : | ۵۶ |
| ایران میں فارسی لغت نگاری کی روایت : | ۸۳ |
| ہندوستان میں فارسی لغت نگاری کی روایت: | ۹۲ |
| انگریزی لغت نگاری کی مختصر تاریخ : | ۱۰۶ |
| اردو لغت نگاری کے اولین نقوش : | ۱۳۱ |
| اُردو لغت نگاری میں مستشرقین کا حصّہ : | ۱۵۶ |
| اردو لغت نگاری کا عہدِ زرّیں : | ۱۸۱ |
| اشاریہ : | ۲۰۷ |
| کتابیات: | ۲۱۴ |

اے بسا معنی کہ از نامحرمی ہائے زباں
باہمہ شوخی مقیمِ پردہ ہائے راز ماند
(بیدلؔ)

# دیباچہ

لغت نویسی انتہائی صبر آزما کام ہے۔ یہ فن بھی ہے اور ہنر بھی۔ ایک مشغلہ بھی ہے اور ایک مُہم جوئی بھی لیکن ان سے بڑھ کر ایک بُرومند علمی، تعلیمی اور تحقیقی کارگزاری ہے جس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی فن تحریر کی تاریخ ہے۔ ایک ہی زبان یا ایک سے زیادہ زبانوں کے بارے میں حصولِ جانکاری کا یہ سب سے ابتدائی اور اہم وسیلہ رہا ہے۔ دنیا کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ خواندہ قوموں میں کسی بھی کتاب کا استعمال اتنے وسیع پیمانے پر نہیں ہوا ہے جتنا لغت کا ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ نطق انسانی کی بنیادی اکائی لفظ (لسانیاتی اعتبار سے جس کی تعریف ممکن نہیں ہو سکی ہے) کی ہیت، ساخت، املا، تلفظ، معنی، معنیاتی انسلاکات، مآخذ، مترادفات، سیاقی استعمالات وغیرہ کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کے علاوہ زبان کی تعلیم اور تعلم کے سلسلے میں بھی لغت ایک اہم ترین وسیلے کے طور پر استعمال میں لائی گئی ہے۔

لغت محض کسی زبان کے لغوی سرمائے کی ترتیب و تدوین کا کام نہیں ہے جو کوئی بھی پڑھا لکھا آدمی انجام دے سکے بلکہ لغت نویسی کے لیے کئی علمی میدانوں کے عمیق مطالعوں سے متصف ہونا لازمی ہے۔ جس کے لیے ایک لغت نویس کا لسانی شعور بے حد بالیدہ ہونا چاہیے۔ لسانی کھیل چونکہ بے حد

نازک اور پیچیدہ ہے اس لیے معمولی سا انحراف بڑی بڑی غلطیوں کے ارتکاب کی وجہ بن سکتا ہے۔ ان معنوں میں لسانیات سے شغف اور واقفیت کسی بھی لغت نویس کے لیے ناگزیر ہے۔ لغت نویسی اب اطلاقی لسانیات کی ایک باضابطہ شاخ تصور کی جانے لگی ہے جو ترجمہ نگاری، لنگویج پلاننگ، خارجی اور ثانوی زبانوں کی تدریس اور کئی دوسری علمی، تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں میں بہت کارآمد ثابت ہو رہی ہے۔ اسی طرح لغت نویس کے لیے ادب، تاریخ، تہذیب، سائنس اور انفارمیشن ٹکنالوجی کی واقفیت سے متصف ہونا بھی ضروری ہے۔

حالیہ برسوں میں کمپیوٹر اور الیکٹرانک میڈیا کی روز افزوں ترقی اور وسعت نے لغت نویسی کو بھی گہری اور انقلابی تبدیلیوں سے روشناس کیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے زبان کے لفظی سرمائے کی ترتیب و تدوین، پیش کش اور اس کے استعمال کی ایسی نت نئی راہیں کھول دی ہیں جو روایتی لغت نویس کے وہم و گمان میں نہیں تھیں۔ جدید زمانہ on line dictionaries کا زمانہ ہے۔ انگریزی میں اس وقت چنانچہ کئی on line dictionaries دستیاب ہیں۔ کمپیوٹر کی مدد سے لسانی مواد کی جمع آوری، ذخیرہ کاری اور اس پر عمل درآمد جس برق رفتاری سے انجام دیا جا رہا ہے وہ ظاہر ہے انسان کے حدِ اختیار میں کبھی نہیں آ سکتا ہے۔ الیکٹرانک Corpora کی مدد سے لغت نگاری کا کام کیفیت اور کمیت دونوں کے اعتبار سے بے حد آسان اور بہتر ہو گیا ہے لیکن لغت نویس کے لیے مشکلیں بڑھ گئی ہیں۔

سنسکرت، عربی اور فارسی میں لغت نویسی اور فرہنگ نگاری کی روایت:

بہت قدیم ہے۔ اردو، جو انہی زبانوں کے زیر اثر پروان چڑھی ہے، میں بھی لغت نویسی کی جاندار روایت موجود ہے۔ اردو لغت نگاری کو عربی، فارسی اور بعد میں انگریزی لغت نویسی نے خاصا متاثر کیا ہے۔ اس اثر کے تحت اردو میں ان ہی زبانوں کے اصول لغت کو برتا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائی لغات اور فرہنگیں خاص مقاصد اور نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔

اردو میں لغت نویسی ایک ڈسپلن اور شعبہ تحقیق کی حیثیت ابھی تک بے حد کمزور ہے۔ لغت نویسی کے اصول کیا ہیں، ایک اچھی لغت کے عناصر ترکیبی کیا ہیں۔ لغت نویسی اور ان کی نوعیاتی تعریف کے کیا معنی ہیں، لفظوں کی ترتیب اندراجات، تلفظ کی وضاحت، معیاری اور علاقائی تلفظ، لفظوں کا سیاقی استعمال، لفظوں کا قواعدی تفاعل وغیرہ پر اردو میں کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی کی کتاب ''اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ'' کے بعد ڈاکٹر نذیر آزاد کی زیر نظر کتاب ''اردو لغت نگاری: روایت اور ارتقا'' اس موضوع پر اہم ترین کتاب ہے جس میں لغت نویسی اور اس کے متقاضیات پر سائنسی اور معروضی انداز میں بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نذیر آزاد نے عربی، فارسی اور انگریزی لغات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور ان پر کی گئی تنقیدات کا بھی بہ غور جائزہ لیا ہے اور اپنے مطالعے کی روشنی میں اردو میں لغت نویسی کی تنقید کو ایک شعبۂ تحقیق کے طور پر متعارف کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کا طریقہ تحقیق نہایت مدلل اور واضح ہے۔ انہوں نے رواں، سلیس اور غیر مبہم انداز میں ہر نکتے کی توضیح کرنے کی کوشش کی ہے۔

زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر آزاد نے لغت نویسی کی ضرورت واضح کر کے

فرہنگ، لغت اور انسائیکلوپیڈیا کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ انہوں نے دنیا کی بڑی زبانوں مثلاً عربی، فارسی اور انگریزی کی لغت نویسی کی دیدہ ریزہ کے ساتھ تحقیق کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لغت نویسی (Lexicography) اہم لسانی کارگزاری ہونے کے علاوہ مختلف لسانی گروہوں کی سیاسی، تمدنی اور معاشرتی تاریخ کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ اردو لغت نویسی کی تاریخ کے حوالے سے ڈاکٹر آزاد کی زیرِ نظر کتاب بھی ایک سنگِ میل ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ان تمام لسانی، سیاسی اور معاشرتی عوامل کو زیرِ نظر رکھا ہے۔ جن کے نتیجے میں مختلف زمانوں میں مختلف لغات سامنے آگئیں۔

ڈاکٹر آزاد وادی کے معروف اردو شاعر ہیں لیکن ان کے طرز تحقیق اور اسلوب میں کہیں بھی شاعرانہ رنگ حاوی نہیں ہوسکا ہے۔ چنانچہ ان کی نثر کہیں بھی گراں نہیں گزرتی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ان کی اس کتاب کو ارباب نظر پسند فرمائیں گے۔

۲۸/جون ۲۰۰۹ء

پروفیسر نذیر احمد ملک
سابق صدر، شعبۂ اُردو
کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

# پیش گفتار

زبان ایک تغیر آشنا ادارہ ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی ناگزیر ہے۔ زندہ زبانوں میں اخذ و قبول کی بے پناہ صلاحیت ہوتی ہے، جو کہ مختلف تہذیبی گروہوں کے درمیان سیاسی، سماجی، مذہبی، تجارتی اور دیگر روابط کے نتیجے میں لسانی لین دین کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ یہ اخذ قبول زیادہ تر زبان کی اوپری سطح یعنی لفظیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ الفاظ ایک زبان سے دوسری زبان میں داخل ہو کر اس کے مزاج کے مطابق اس طرح ڈھل جاتے ہیں کہ کچھ عرصے کے بعد ان کی اصل کا تعین کرنا خاصا مشکل کام بن جاتا ہے۔ کبھی یہ اپنے معنوں کو ترک کر کے نیا معنیاتی چولا پہنتے ہیں، کبھی ان میں معنوی توسیع یا تقلیل ہوتی ہے اور کبھی ان میں ہیئتی، صوتی یا قواعدی تصّرف ہوتا ہے۔ یہی الفاظ ایک مدت تک زبان کے اجزاء بن کر رہتے ہیں اور پھر بقائے اصلح کے قانون کے تحت ختم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی موت حتمی نہیں ہوتی ہے۔ یہ شعراء کے دواوین، نثر نگاروں کی نگارشات اور سب سے بڑھ کر لغت میں باقی رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کسی بھی وقت زبان کی مستعمل لفظیات میں نئے سرے سے اپنی حیثیت منوا لینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اب تک لسانیاتی بنیادوں پر لفظ کی کوئی بھی مکمل وضاحت نہیں کی جاسکی ہے۔ پھر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ الفاظ انسانی خیالات کی ترسیل

کے علامتی ذریعے ہیں۔ یہ لسانی صورتیں آوازوں کے مجموعے ہیں جو کسی مخصوص جغرافیائی علاقے میں یکجا رہنے والے افراد پہلے سے بنائے ہوئے کسی اصول کے بغیر اپنے مافی الضمیر کو ایک دوسرے پر ظاہر کرنے کے لیے وضع کرتے ہیں۔ ان ہی الفاظ سے لغت بھی بنتی ہے جو نہ صرف ان کا ریکارڈ رکھتی ہے بلکہ ان میں ہونے والی تبدیلیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے اور استعمال کنندہ کو ان کے املا، تلفظ، قواعدی نوعیت، مآخذ لسانی کے علاوہ ان کی تشریح و تفہیم اور ان کے سیاقی استعمال کی معلومات فراہم کرنے میں استناد کا درجہ رکھتی ہے۔

ہند آریائی زبانوں میں لغت نگاری کی روایت بہت ہی قدیم ہے۔ سنسکرت میں لکھے ہوئے ''دنگھنٹو'' لغت نگاری کی قدیم ترین کوشش ہے اور مہارشی یاسک کا کوشن ''نرکت'' اور پانِنی کا گرامر ''اشٹادھیائی'' لغت نگاری کے اولین نمونے ہیں۔ لیکن ان کی کمزوری کسی منضبط اصول کا فقدان ہے۔ اردو جو کہ ایک جدید ہند آریائی زبان ہے، میں بھی لغت نگاری کی اچھی روایت موجود ہے لیکن اسے سنسکرت کی بجائے، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں کی لغت نگاری نے متاثر کیا۔ کیونکہ اردو کو اس کے ہند آریائی ڈھانچے کے باوجود ایک علمی، ادبی، تہذیبی اور سائنسی زبان بنانے میں ان زبانوں نے زبردست حصہ ادا کیا اور ادب کی طرح لسانیات کے مختلف شعبوں پر گہرے اثرات مرتسم کیے جن کی ایک اہم شاخ لغت نگاری ہے۔ لیکن ہمارے لغت نگاروں کی یہ مشترکہ کمزوری یہ ہے کہ انہوں نے لغات کو اردو زبان کی ساخت کے برعکس ان ہی زبانوں کے تناظر میں مرتب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لغات کو فارسی کا چربہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مؤلفین زبان کے تئیں خلوص اور محبت کے

باوجود علم لغت سے ناواقف تھے اور زبان کے تحفظ اور تطہیر کے جذبے کے باوصف ان سے ایسے تسامحات ہوئے ہیں کہ جن سے اسے نقصان ہی پہنچ گیا۔ اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہاں آج بھی اچھی لغت کی کمی بری طرح محسوس کی جاتی ہے۔ ہر چند اس کو لغت کراچی نے کسی حد تک پورا کیا ہے۔

اردو لغات کی تنقید کا سلسلہ اگرچہ بیسویں صدی کے وسط میں ہی فرہنگ اثر اور مہذّب اللغات کی تالیف سے شروع ہوا تھا، جس کی تازہ ترین کڑی ڈاکٹر مسعود ہاشمی کی کتاب ''اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ'' ہے، لیکن ان تمام کاموں میں یا اردو لغت نگاری کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے یا زیادہ سے زیادہ مؤلفین لغات کے وضع کیے ہوئے نام نہاد اصولوں کی روشنی میں ان کی تنقید کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے زیرِ نظر کتاب کے لیے اس موضوع کو منتخب کیا تاکہ سائنسی اور معروضی بنیادوں پر معلوم ہوسکے کہ لغت کے تفاعیل اور اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور ایک جامع لغت کی تدوین کے لیے عالمی سطح پر کون سے اصول وضوابط مرّوج اور مرجع ہیں۔ تاکہ ان ہی اصولوں کی روشنی میں اپنی لغات کا جائزہ لیا جائے کہ ان میں کون سی خامیاں ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جائے کہ ان اصول وضوابط کو اپنانے میں اردو لغت نگاری کو کن مشکلات کا سامنا ہے اور ان کا کس طرح سدباب ہوسکتا ہے۔ تاکہ اردو کی ایسی لغت ترتیب دی جائے جو اسے عالمی صف میں کھڑا کرسکے۔

زیرِ نظر کتاب ''اردو لغت نگاری: روایت اور ارتقا'' اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس میں لغت نگاری کی معنویت اور اس کے تاریخی پس منظر پر بحث کی گئی ہے اور لغت، فرہنگ اور قاموس کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کی

کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عربی، فارسی اور انگریزی لغت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے کیونکہ ان ہی زبانوں کی لغات نے اردو لغت نگاری کے لیے مشعلِ راہ کا کام انجام دیا ہے۔ اس بحث میں یہ حقیقت آئینہ ہوگئی کہ عالمی سطح ہی کی طرح اردو میں بھی لغت نگاری کے لیے مذہب، شاعری اور سیاست نے کلیدی رول ادا کیا۔ چنانچہ زیرِ نظر کتاب میں پہلے اس روایت کو سامنے رکھا گیا ہے جس نے اردو لغت نگاری کے لیے بنیادی مواد فراہم کیا اور اس روایت میں عربی، فارسی اور انگریزی لغات کے بعد اردو کے ابتدائی نصاب نامے اور فرہنگیں شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مستشرقین کی لغات کو بھی زیرِ نظر رکھا گیا ہے۔ بعد میں بیسویں صدی کی اُن اردو لغات (یک لسانی) کا جائزہ لیا گیا ہے جنھوں نے اردو کے حوالے سے اس صدی کو لغت نگاری کی صدی بنا دیا۔

چونکہ عالمی سطح پر لغت نگاری کے لیے بعض اصول وضوابط مرتب کیے گئے ہیں جن کے عملی نمونوں میں انگریزی کی بعض لغات مثلاً OED (آکسفورڈ انگلش ڈکشنری) اور websters ڈکشنری شامل ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عالمی سطح کے ان اصول وضوابط کی نشاندہی کر کے اردو لغات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ آنے والے زمانے کے لیے ایک ایسی لغت کا منصوبہ تیار کیا جا سکے جو اردو کو اطلاقی لسانیات کی سطح پر دوسری متمدن زبانوں کے ہم پلہ بنانے میں مدد دے۔ زیرِ نظر کتاب کی دوسری کڑی کے طور پر میری زیرِ ترتیب کتاب انشاء اللہ بہت جلد سامنے آرہی ہے جس میں لغت نگاری کے متفقہ اصولوں کی روشنی میں اردو لغات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

میں اپنے محترم استاد اور وادی کے ماہر لسانیات پروفیسر نذیر احمد ملک

(سابق صدر شعبۂ اردو، کشمیر یونیورسٹی) کا شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے ہمیشہ اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ ڈاکٹر شفق سوپوری، ڈاکٹر فرید پربتی، جناب سیّد رضا، جناب حسن انظر اور ڈاکٹر جوہر قدوسی جیسے دوستوں کا شکریہ مجھ پر واجب ہے جنھوں نے مجھے قدم قدم پر حوصلہ عطا کیا۔ محبّی ندا نواز اور برادرم ستیش وِمل نے ہندی کتابوں کی تفہیم میں میری مدد کی۔ میرے پاس ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ اپنے اراکین خانہ جن میں شمیمہ، اختر، مُنیر آزاد اور شکیل آزاد شامل ہیں، کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے اس دوران مجھے خانگی امور سے دور رکھ کر میری اعانت کی۔

TFC کمپیوٹر سنٹر کے تمام اراکین کا شکریہ ادا کرنا بھی لازم ہے۔ خاص طور پر پرویز احمد کا بے حد مشکور ہوں جنھوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ میں اپنی محبتیں بھی شامل رکھیں۔ عزیزی اعجاز احمد اور عزیزی عبدالغنی کمہار کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کا اشاریہ تیار کرنے میں میری اعانت کی۔

آخر پر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ میرا عزیز دوست ڈاکٹر الطاف نیاز میری اس کاوش کو منظرِ عام پر آتے نہیں دیکھ سکا۔ بقول میرؔ

کیا جانئے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغِ دل
اِک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں سا ہے

ہمہ ہامہ سرینگر | ڈاکٹر نذیر آزاد
۱۹ر نومبر ۲۰۰۹ء | آزاد منزل، ہمہ ہامہ، سرینگر

اسدؔ ارباب فطرت قدردانِ لفظ و معنی ہیں
سُخن کا بندہ ہوں لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا
(غالبؔ)

# لُغت نگاری کی اہمیت

علم اللسان میں لُغت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے[۱]۔ عام طور پر لغت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ ایک ہی زبان کے ذخیرۂ الفاظ کا مجموعہ ہے جو کہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہو اور ہر لفظ کا تلفظ اور اس کے معنی درج ہوں[۲]۔ علم اللغت (Lexicology) اور لغت نگاری (Lexicography) پر بات کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ لغت کیا ہے؟ لغت اصل میں یونانی زبان کا لفظ ''لوغوس''[۳] ہے جس کے معنی ہیں کلمہ، لفظ یا آواز۔ عربی زبان میں یہ لفظ ان ہی معنوں میں مستعمل ہے۔ 'المنجد' (عربی۔ اردو لغت) کے مطابق 'اللغاء' کی تعریف یہ ہے:

''اللغا'': آواز۔ غلطی۔ ردی کلام[۴]۔

اسی طرح اللُغۃ کے سلسلے میں کہا گیا ہے:

''اللغۃ'': ہر قوم کا اپنا مصطلح کلام۔ ج۔ لغی ولغات ولُغون۔ برائے نسبت۔ لُغوی۔ عِلمہ اللُغۃ۔ علم معرفت، اوا ضاعِ مفردات۔

کتب لُغۃ: علم لغت کی کتابیں۔ اہل لغۃ: فن لُغت کے ماہرین، کبھی ''علم اللغۃ سے تمام علوم عربیہ مُراد لیتے ہیں''[۵]۔

گویا کہ عربی زبان میں لغت کا مترادف لفظ (بمعنی وسیلۂ اظہار) ہے اور اس کی جمع لغات۔ اس فن کو علم لغت اور ماہر کو لغوی کہتے ہیں۔ کتابِ لغت

مجموعۂ الفاظ کے طور پر مستعمل ہے۔ ابوالوفا ہورینی کے حوالے سے صاحبِ المنجد نے لغت کو ان ہی معنوں میں واضح طور پر استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''لغت ان آوازوں کا نام ہے جن سے ہر قوم اپنے اغراض ومقاصد کا دوسروں پر اظہار کرتی ہے''۔[۶]

عربی میں ڈکشنری (Dictionary) کے مفہوم میں مُفرد لفظ 'لغت' رائج نہیں ہے بلکہ اس کے لیے وہاں قاموس، کتاب اللُغۃ یا مُعجم رائج ہیں۔ اسی طرح فارسی میں بھی اس مفہوم کے لیے فرہنگ، کتابِ لغت، لغت نامہ وغیرہ رائج ہیں[۷]۔ اردو میں ''لغت'' خصوصی طور پر اُس کتاب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کے لیے عربی میں کتاب اللغۃ، فارسی میں فرہنگ اور انگریزی میں ڈکشنری مختص ہے۔ ہر چند کہ بعض لغت نگاروں نے اس مفہوم کے لیے فرہنگ ہی استعمال کیا ہے جن میں صاحب فرہنگِ آصفیہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن اندراج کے طور پر انہوں نے اس کی وضاحت میں بولی، اصواتِ اظہاریت کے علاوہ ڈکشنری بھی تسلیم کیا ہے۔ لغت کے اندراج میں آپ لکھتے ہیں:

> ''لُغت (ع) اسم مذکرہ: (۱) کسی قوم کی زبان، بولی، بھاشا، وہ اصوات وکلمات جن کے وسیلہ سے آدمی اپنے مطالب واغراض کو بیان کرے۔ (۲) وہ الفاظ جن کے معنی مشہور نہ ہوں (۳) لفظ، شبد، کلمہ مفرد، ورڈ۔ (۴) ڈکشنری، کوش، کتابِ لغت، فرہنگ''[۸]

مولوی صاحب نے ''لغت'' کو تین مفاہیم میں لیا ہے۔ (۱) زبان

(language) وسیلۂ اظہار (۲) لفظ۔ بالخصوص مُفرد لفظ (۳) ڈکشنری۔ مندرجہ بالا تقسیم سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے لغت کو اپنے اصلی عربی معنی میں لیا ہے اور بعد میں اردو میں اس کی مروجہ صورت کے معنی میں۔ حالانکہ اس تقسیم میں وہ بولی، بھاشا، زبان نیز لفظ، ورڈ کلمہ کے علاوہ فرہنگ اور لغت میں امتیاز قائم نہ کر سکے[۹]۔ اسی طرح فیرز اللغات بھی مندرجہ بالا کی تمیز کئے بغیر لغت کو اس کتاب کے معنی میں لیتی ہے[۱۰] جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے الفاظ اور ان کے معنی درج ہوں۔ 'لغت' اور 'لُغات' کے سلسلے میں مولوی فیروزالدین صاحب لکھتے ہیں:

> ''**لغت** (لُ غت) (بولی، زبان، لفظ، فرہنگ، ڈکشنری۔ وہ کتاب جس میں الفاظ اور ان کے معنی ومطالب وغیرہ درج ہوں، جمع لغات، **لغات** (لُ۔ غات) (ع۔ ا۔ مذکر) لغت کی جمع۔ ۲۔ الفاظ۔ ۲۔ زبانیں۔ ۳۔ فرہنگ۔ ڈکشنری۔ وہ کتاب جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے الفاظ اور ان کے معانی درج ہوں''[۱۱]

اس بات پر تقریباً بیشتر محققین متفق ہیں کہ لفظ ''لُغت'' اردو میں ان ہی معنوں میں مستعمل ہے جن معنوں میں انگریزی ڈکشنری[۱۲] مستعمل ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ انگریزی زبان کے لفظ ''ڈکشنری'' کا مآخذ معلوم کیا جائے تاکہ لفظ ''لغت'' کی تفہیم کے ساتھ ساتھ اس کے تفاعل اور اجزا کی بھی نشاندہی ہو سکے۔ لفظ ڈکشنری (Dictionary) کا مآخذ لاطینی لفظ Dictionariam مانا گیا ہے جو کہ اسی زبان کے لفظ Dicere یا

Dictim سے مشتق ہے [۱۳]۔ لفظ ڈکٹم کا انگریزی مترادف Diction بمعنی ''الفاظ کا انتخاب'' اور صحیح استعمال 'بندش' ''طرزِ تحریر'' ہے [۱۴] حالانکہ انگریزی میں یہ لفظ اپنے اصلی معنی یعنی ''قول''، ''کہاوت''، ''مشہور مقولہ'' کے علاوہ ''ملفوظ'' اور ''حاکم عدالت کی رائے'' کے معنی سمیت داخل ہوا ہے۔ موجودہ انگریزی لغت نگاری کے باوا آدم سیموئل جانسن لفظ Diction کی تعریف میں اسے فرانسیسی الاصل مانتے ہوئے انگریزی میں اسے لاطینی کے ذریعے داخل ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

''(ڈکشن، فرانسیسی، ڈکٹیو، لاطینی) اسلوب، زبان، اظہار۔

اسی طرح لفظ Dictionary کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

''(ڈکشیزم، لاطینی)''

''کسی زبان کے الفاظ پر مشتمل کتاب جو کہ الفابیائی اعتبار سے درج کیے گئے ہوں اور جس میں ان کے معنی کی وضاحت کی گئی ہو۔ لغت/فرہنگ، ذخیرۂ الفاظ کی کتاب [۱۵]۔

اپنی توضیحات کی شہادت میں جانسن نے ڈرائڈن (Dryden) اور براؤن (Brown Vulg- Err) کے حوالے دیے ہیں۔

لغت کے انگریزی مترادف کے طور پر ڈکشنری کے علاوہ لفظ Lexicon [۱۶] بھی لسانیات کی رو سے تسلیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی فرانسیسی اور لاطینی لغت نگاری میں مجموعہ الفاظ کے لیے بیسیوں الفاظ استعمال کیے گئے جن میں Vocabulorum, Lexicon, Glossurium, Tresor اور Dictionarium وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جن میں آخر پر

Dictionary، Lexicon اور Treasurus مستقل طور پر استعمال میں رہے۔ یہاں تک کہ زمانہ حال میں بھی ڈکشنری اور Lexicon میں حد فاصل قائم کرنا مشکل ہے [۱۷]۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا کے مطابق Dictionary, Lexicon کا مترادف ہے جو کہ بالخصوص ماہرین لسانیات استعمال کرتے ہیں اور جو کسی زبان کے ذخیرہ الفاظ کا معنی سمیت کلی یا جزوی طور پر احاطہ کرتی ہے۔ یہ ذخیرہ الفاظ فرد، تحریر یا کسی پیشہ ور جماعت کا ہو سکتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اس کے معنی لغت، کتابِ لغات، فرہنگ (خصوصاً یونانی، سریانی، عبرانی، عربی کا لغت) دیے ہیں [۱۸]۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا میں مذکور ہے۔

"The term lexicon is also used to refer to the total stock of all words or word elements in a language. in this sense which is used especially by lingiusts, the language of a preliterite culture has a lexicon, even though these lexical elements are not recorded in writing"[19]

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ لغت کسی زبان کا ذخیرہ الفاظ ہے جو کہ کسی مخصوص تہذیب سے تعلق رکھنے والوں کی مشترکہ میراث ہے۔ مزید اس امر کی بھی تفریق نہیں ہے کہ یہ ذخیرہ ضبط تحریر میں لایا گیا ہو یا نہیں۔ جب تک کہ زبان ابتدائی مراحل میں ہو تب تک اس ذخیرۂ الفاظ کو تحریر میں لانے کی

ضرورت نہیں ہوتی، لیکن زبان کی وسعت، جو کہ دوسری زبانوں سے تعلقات کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے، کے ساتھ ساتھ اس کے ذخیرۂ الفاظ کو محفوظ کرنے کی ضرورت ناگزیر بن جاتی ہے۔ اس ضمن میں مذہب، شاعری اور سیاست کا خاصا عمل دخل ہے [۲۰]۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں الفاظ کا خصوصی کردار ہے اور لغت الفاظ کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے لغت الفاظ کی صحت اور ان کے استعمال کے حوالے سے خزینہ [۲۱] کہلاتی ہے جو کہ املا، تلفظ، معنی اور حوالوں کی بناء پر استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ ڈاکٹر ذکاالدین شایاںؔ نے مختلف تشریحات کی روشنی میں لغت کے تفاعل کا احاطہ کرتے ہوئے اس کی مندرجہ ذیل چار خصوصیات بیان کی ہیں۔

> ''(۱) حروف تہجی کی ترتیب (۲) الفاظ کی توضیع کا انداز (۳) الفاظ کی تاریخ، مخرج، مآخذ اور تلفّظ وغیرہ (۴) تشریحات اور حوالوں کے بیان میں مستند تحکمانہ رویہ'' [۲۲]۔

اسی طرح مشہور ماہر لسانیات اور لغت نگار R.R.K.Hurtman [۲۳] نے لغت کے مشمولات کا بیان کرتے ہوئے اس کو ایسا حوالہ جاتی کام مانا ہے جس میں بالعموم الفابیائی ترتیب سے کسی زبان کے سرمایۂ الفاظ کی فہرست دی گئی ہو۔ نیز جس میں ان الفاظ کے معنی تلفظ، ہجے وغیرہ شامل کئے گئے ہوں اور دولسانی لغت کی صورت میں دوسری زبان کے مرادفات درج کیے گئے ہوں لیکن لغت کے دائرہ کار میں خصوصی طور پر معنیات کا خیال رکھا گیا ہو [۲۵]۔

املا، تلّفظ، قواعد، مآخذ بجا طور پر لغت کے اجزائے ترکیبی ہیں، لیکن

معنیات لغت کا مرکزی تفاعل ہے۔ عام طور پر لغت کو ایسے حوالہ جاتی کام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس میں الفاظ کے معنی اس طرح سے دیے گئے ہوں کہ ان کی امتیازی اور انفرادی شان باقی رہے۔ ہر لفظ کے نہ صرف اندرونی مضمرات کی نشاندہی کی جائے بلکہ دیگر الفاظ کے ساتھ اس کے سیاقی رشتے کو بھی ملحوظ رکھا جائے اور مترادفات اور متضادات کا سہارا لے کر کامل توضیع کی جائے[۲۶]۔ گویا کہ لغت کا بنیادی کام لفظ اور اسکے معنی کا تعیّن ہے۔ املا، تلّفظ، تاریخ اور مآخذ لغت میں لفظ ہی کی بیتی کڑیاں ہیں۔ اسی طرح مترادفات، متضادات، حوالے اور اسناد معنی کی تفہیم میں معاون ہیں جو کہ لفظ کی معنیاتی بنیادیں ہیں۔

لغت کی ضرورت اور زبان میں اس کی اہمیت پر بحث کرنے سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ لغت کی ترتیب وتدوین کے علم یعنی علمِ لغت اور اسکے عملی پہلو یعنی لغت نگاری پر بات کی جائے۔ علمِ لغت (Lexicology) کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برطانیہ میں درج ہے۔

"The Scientific study of the words or word elements of a language, lexicology includes the study of meaning, form usage, derivation and history of words and word elements. The thories derived from this branch of linguistic study are of use in lexicograpy, the actual compilation of

dictionaries.".[۲۷]

انسائیکلو پیڈیا برطانیکا کی نظر میں علم لغت ایسا فن ہے جس میں لفظ یا اجزائے لفظ اور اس کے معنی کا مطالعہ کیا جائے۔ یہاں بھی لفظ کی ہیئت اور اس کے معنی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ محض فن ہے اور لغت نگاری (Lexicography) اس فن کا عملی پہلو ہے۔ یہاں پر علم لغت کے بارے میں انگریزی کی دو مستند لغات لانگ مینز کونسائز انگلش ڈکشنری (LCED) اور کونس انگلش ڈکشنری (CED) کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے۔ (LCED) میں درج ہے:

"A branch of linguistics concerned with the meaning of words".[۲۸]

جبکہ CED میں مذکور ہے۔

"The study of over-all structure and history of the vocabularry of a language".[۲۹]

ان دونوں تشریحات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی تشریح میں توجہ انفرادی لفظوں پر مرکوز ہے، جبکہ دوسری تشریح میں زبان کے کلی سرمایہ الفاظ۔ مزید موخر الذکر میں علم لُغت کے تاریخی تفاعل کو مدنظر رکھا گیا ہے جبکہ اول الذکر اس سے بالکل خالی ہے۔ اول الذکر میں معنیات کو علم لغت کا جزو مانا گیا ہے، لیکن موخر الذکر اس سے اغماض برتتی ہے۔ مشہور ماہر لسانیات اسٹیفن علمان[۳۰] (Stephn Ullmann) (1962ء) کے مطابق لسانیات کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ علم الاصوات (Phonology). ۲۔ علم لغت،

۳۔نحو۔ ان میں سے بھی علم لغت کو دو حصوں میں منقسم کیا جائے۔

ا۔صرف (Morphology) اور ۲۔معنیات (Semantics)۔

صَرف میں الفاظ کی ہیئت کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور معنیات میں ان کے معنی کا۔ مزید برآں اشتقاقیات (Etymology) کو بھی علم لغت کے دائرے میں شامل کیا جاسکتا ہے[۳۱]۔ علمان کا زور بھی LCED کی طرح الفاظ کے انفرادی مطالعہ پر ہے نہ کہ زبان کے کُلی سرمایہ الفاظ پر۔ حالاں کہ علمِ لُغت دونوں طرح سے الفاظ کا مطالعہ کرنے میں مددگار ثابت ہوا ہے، جیسا کہ وی ٹولڈ ڈونزووسکی (Witold Donozewsk) (1973) کے نظریے سے واضح ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"Lexicology is that branch of linguistics, investigating words as regards their meaning and use, The science of vocabulary, The thoritical scientific basis of lexocography"[۳۲]

علم لغت، لغت کی تدوین کے لیے فنی اساس قائم کرتا ہے اور جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ لغت ہیئتی انسلاکات اور معنی کی تفہیم کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ علم لغت لفظ و معنی کے سائنسی اور معروضی مکالمے کے دائرۂ عمل کی نشاندہی کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ جب ہم ''لفظ'' بحیثیت لغوی اکائی (Lexical Item) کے انسلاکات کے مطالعے کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد لفظ بمعنی (Lexeme) ہے نہ کہ

بمعنی (Word) [۳۳]۔ اس میں مرکبات (جن میں خصوصی طور پر محاوراتی افعال شامل ہیں) کا شمار بھی ہوتا ہے۔ قواعدی الفاظ اس میں شامل نہیں ہیں کیونکہ یہ الفاظ علم نحو کے زمرے میں شامل ہیں۔ الفاظ کے ہیئتی مطالعے میں متجانس (Homonym) اور کثیر معنی (Poly semy) [۳۴] میں امتیاز کی نشاندہی بھی اس علم میں شامل ہے۔ لفظ کا اشتقاقی پس منظر اور تصرفاتی سفر بھی ہیئتی مطالعے سے ہی واضح ہوسکتا ہے۔ لفظ کی پیدائش وموت، اس کا ترک ودخول اور سرمایہ الفاظ میں اضافے کے لیے تشکیل الفاظ کی تحقیق بھی لفظ کے ہیئتی مطالعے سے ہی ہوسکتی ہے اور یہی مطالعہ علم لغت کی اولین کڑی ہے۔ اس فن کی دوسری کڑی لفظ کا معنیاتی مطالعہ ہے۔ اس میں معنوی تصریفات اور اشتقاقیات شامل ہیں [۳۵]۔ اب ذرا لغت نگاری (Lexicography) کے بارے میں بات ہوجائے جس کو ہم مندرجہ بالا تشریحات کی روشنی میں تدوین لغت کا عملی پہلو قرار دے سکتے ہیں۔ یہاں پر بھی LCED اور CED کی آرا مختلف ہیں۔ مثلاً

LCED (The Principles of) the editing or making of a dictionary" [۳۶]

CED . "The process or profession of writing or compiling dictionaries". [۳۷]

ہر چند کہ دونوں لغات اس کو لغت کی تدوین کا عمل قرار دیتے ہیں لیکن CED اس کے علاوہ اس کو پیشے سے بھی تعبیر کرتی ہے، اور اس کو دو حصوں میں منقسم قرار دیتی ہے۔ فنی اور عملی حصہ۔ بابائے اُردو عبدالحق [۳۸] نے اس کے

مرادافات تالیفِ فرہنگ، فرہنگ نویسی اور تدوین لغت دیے ہیں۔ لیکن Lexicology کو شامل لغت نہیں کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یا تو آپ ان کے امتیاز سے واقف نہ تھے یا کم ازکم "Lexicology" لفظ سے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ لغت نگاری کے فنّی اور عملی پہلو کو یکسان تصور کرتے تھے۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا کے مؤلفین لغت نگاری کو تدوین لغت کے لیے اصول اور طریق کار قرار دیتے ہیں۔ اس میں جن اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے وہ اصل میں لغت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ان اصولوں کے بارے میں رقم ہے۔

"These include the compilation of a list of words in the language for which the dictionary. is being written, A presentation of this meaning, syllalification of words and usually information about their part of speach (noun, verb etc). In the compilation of some dictionareis following is included: The pronunciation of words indicated by special symbols, word histories and derivation, the levals of words indicated by usage labels such as calloquiel or slang and synonyms and their uage".[۳۹]

انسائیکلو پیڈیا مذکور میں تدوین لغت کے عملی طریق کار کی نشاندہی کر کے اصل میں لغت کے اجزائے ترکیبی کے بارے میں واقفیت بہم پہنچائی گئی ہے۔ اس کو ہم ایک کامل لغت کی جامع تعریف بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اس میں ایک لغت کے لیے جن اجزاء کو بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ ہیں (۱) فہرست الفاظ (۲) ان کے معنی (۳) ان کی قواعدی نوعیت۔ اس طرح ایک کامل لغت کے لیے مندرجہ ذیل اجزاء ناگزیر ہیں۔ (۱) تلفّظ (۲) تاریخ وماٰخذ (۳) نوعیت استعمال اور (۴) مترادفات وسیاقی استعمال۔ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ لغت اس کتاب کو کہا جائے جس میں الفاظ املا، تلفظ، قواعدی نوعیت اور ماٰخذ تاریخ سمیت درج ہوں اور جس میں ان الفاظ کے معنی بھی ہوں جن کے لیے مترادفات متضادات، حوالہ جات، اسناد معاون ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح علم لغت تدوین لغت کے لئے فنی بنیادیں قائم کرتا ہے، جو کہ اجزا کا بحیثیت ناقد مطالعہ کرے اور لغت نگاری تدوین لغت کا عملی پہلو ہے، جو کہ عملی پیشے کی صورت اختیار کرتا ہے۔

زبان میں لغت کی ضرورت اور افادیت کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے بہت ہی اچھا سوال اٹھایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''کوئی بھی علمی کاروائی کسی فلسفیانہ یا نظریاتی اساس (یا اگر واضع اساس نہیں تو مضمر تصورات) کے بغیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ چونکہ ہر نظریہ فلسفہ اصلاً اور اصولاً ''کیوں'' اور ''کس لیے'' سے بحث کرتا ہے۔ اس لیے لغت نگار کے سامنے بھی سب سے پہلا سوال یہ ہونا چاہیئے کہ وہ لغت کیوں اور کس لیے لکھ رہا

ہے''۔[۲۶]

لغت نگاری کی ضرورت (کیوں) اور اس کی افادیت (کس لیے) پر بحث کرنے کے بجائے آپ نے لغت نگاری کے تقاضوں پر ہر چند ایک مبسوط اور پُر مغز بحث کی ہے لیکن بنیادی سوالات کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکے۔ یہی سوال[۲۷] دو صدی سے زائد عرصے پہلے مشہور لغت نگار سیموئل جانسن نے (۱۷۴۷ء میں) اٹھایا تھا۔ اسی سوال کو جانسن کے سو سال بعد (۱۸۵۸ء میں) مشہور قواعد نویس، ماہر لسانیات اور لغت نگار جیکوب گرم (Jacob Grimm) نے دہرایا اور موجودہ صدی کے وسط میں نوح ویبسٹر کی لُغت کی اشاعت اور اس سے پیدا شدہ نزاع (جسکی تفصیل آگے دی جائے گی) کے بعد ۱۹۶۲ء میں برگن اوانز Bergan Evans نے اٹھایا۔ سیموئل جانسن نے اپنے ہی سوال کے جواب میں کہا تھا کہ لغت اس کے استعمال کنندگان کی ضرورتوں کو ملحوظ نظر رکھ کر لکھنی چاہیے نہ کہ نقادانِ فن کی ہدایت کے مطابق گرم نے اس نظریے میں تھوڑی وسعت پیدا کرے کہا کہ لغت ہر قسم کے لوگوں کی ضروریات کی آئینہ دار ہو۔ لیکن اوانز نے لغت کو عام قاری اور اُس کی ضروریات کے نقطۂ نظر سے دیکھ کر قدرے مختلف انداز میں اس کی سائنسی اور فلسفانہ اساس قائم کی۔ امریکی انگریزی میں لغت کی ضرورت کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں۔

"He (Common reader) wants and has a right to the truth, the full truth. And the full truth about any language and especially

about Amercian english today, is that there are amny areas in which certainity is impossible and simplification is misleading".[۴۲]

اس صورت حال کا اطلاق صرف امریکی انگریزی پر ہی نہیں بلکہ باقی زبانوں پر بھی ہو سکتا ہے۔ صداقت بہر حال صداقت ہے اور زبان کے بارے میں صداقت اور وہ بھی کامل صداقت کی جتنی اردو جیسی زبان کو ضرورت ہے وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ مزید یہاں بھی دیگر زندہ زبانوں کی طرح قطعیت کا فقدان نظر آتا ہے[۴۳]۔ زبان کا ارتقا دراصل تاریخی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ مذہب، سیاست اور شاعری کا زبان کی ترویج میں زبردست حصہ ہے۔ ان عوامل کی وجہ سے مختلف تہذیبوں کا تصادم ہوتا ہے اور آپسی لین دین کے بعد معیار بندی کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ آخرکار سیاسی، سماجی، تہذیبی اور تعلیمی ضروریات کے پس منظر میں ایک بولی کو معیار تصور کیا جاتا ہے[۴۴] اور اس کا صحیح املا، صحت مند تلفظ، مستند قواعدی معیارات اور اسکا کُلّیہم ذخیرہ الفاظ ہی اصول قرار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں لغات اور مولفین زبردست کردار ادا کرتے ہیں، کیونکہ ان ہی کے ذریعے معیار بندی کا تعین ہوتا ہے[۴۵]۔ اس سلسلے میں سنسکرت اور مراٹھی کے مشہور ماہر لسانیات اور لغت نگار اشوک، آر، کیلکر[۴۶] نے زبان میں لغت کے کردار کے بارے میں تین بنیادی سوالات اٹھائے ہیں۔

(۱) لغت کن سوالات کا جواب دینے کی مساعی کرتی ہے؟

(۲) کیا لغت کی فراہم کردہ اطلاع اب تک کی بہترین توضیع ہونے کے ساتھ ساتھ مبسوط اور برمحل ہے؟

(۳) اطلاع کی بازیافت کس حد تک سہل الحصول ہے؟

اپنے پہلے سوال کا جواب موصوف نے خود ہی دوسری جگہ دیا کہ لغت کسی زبان یا بولی کے ذخیرۂ الفاظ کی توضیع وتشریح کے ساتھ تعلق رکھتی ہے[۴۷]۔ لیکن اس سے سوال کا جزوی جواب فراہم ہوتا ہے۔ یعنی کس ذخیرۂ الفاظ کی؟ جو ذہن میں دھندلے طریقے سے پہلے ہی موجود ہو یا جس کی ابھی تک علمیت نہ ہو؟ مزید توضیع وتشریح کا کیا پیمانہ ہونا چاہیے؟ سقراط[۴۸] نے اس سلسلے میں کہا تھا کہ لغت کا کام مبہم کو حتمی کرنا، دھندلی یادداشتوں کو روشن اور تازہ کرنا، ناقص طور پر سمجھی ہوئی باتوں کو پوری طرح سمجھا کر ذہن کو آئینہ دکھانا ہے۔ لیکن یہاں صرف ان لوگوں کی ضرورتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو کہ اس زبان کے ساتھ کسی نہ کسی طور گہرا تعلق رکھتے ہیں جس میں لغت لکھی گئی ہو[۴۹]۔ ہرٹ مین (R.R.K.Hurtman)[۵۰] ہی نے دوسری جگہ پر ایک خاکہ پیش کر کے سوال کا کسی حد تک تسلی بخش جواب دیا ہے۔ لغت کو انہوں نے اس کے تفاعل کے اور اس کے استعمال کنندگان کی ضرورتوں کے لحاظ سے چار زمروں یعنی اطلاع (information) طریق کار (operation) استعمال کنندگان (areas) اور مقاصد (purpose) میں تقسیم کیا ہے۔ اطلاع میں معنی، مترادفات، تلفّظ، نحو، ہجے، اشتقاق، اسماء وغیرہ شامل ہیں۔ طریق کار میں تلاش معنی، تلاش الفاظ اور ترجمہ دیے ہیں۔ بچوں، طلبہ، تربیت پانے والوں، اساتذہ، نقادان، سائنس دانوں اور دفتروں کو استعمال کنندگان قرار دیا ہے اور

مقاصد کے زمرے میں مادری زبان کے علم میں توسیع، غیر زبان (Foreign Language) کی تعلیم، معمے حل کرنا دفتری کاغذات کی تیاری اور غیر زبان کے متون سے واقف ہونا مانا ہے۔ گویا کہ لغت کا کردار ہمہ گیر ہے اور وہ اپنے استعمال کنندگان کے ہر قسم کے سوالات کا جواب دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ نہ صرف بھولی بسری یاداشت کی بازیافت میں معاون ہے بلکہ نادیدہ و ناشنیدہ باتوں کی واقفیت بھی بہم پہنچاتی ہے۔ مشہور ماہر لسانیات لاکوف (Lakoff)[۵۱] کے قول پر اضافہ کرکے بولنگر (Bright Bolinger) نے زبان میں لغت کے کردار کی اہمیت اور افادیت کی بھرپور تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"As Lakoff (1973) says, the purpose of a dictionary is to fill in what the speaker cannot be experted to know already, to which we must add, 'and who to serve as a reminder of forgotten knowledge and an organises for difused knowledge'".[۵۲]

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ لغت کا کام وہ مواد فراہم کرنا ہے جو متکلم کے علم میں نہ ہو۔ مزید اسے بھولی بسری یادداشت کا اعادہ اور منقطع علم کی تنظیم قرار دیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک اب تک کی بہترین توضیع (up to date information) کا تعلق ہے، تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ جامع لغت کا تصور ہے۔ اس کا مقصد کے

ساتھ براہ راست تعلق ہے اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ لغت کا پیمانہ کیا ہے۔ اگر تاریخی اصول پر لغت مرتب کی جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ قدیم و جدید سرمایۂ الفاظ پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے ہیئتی و معنیاتی تصرّفات (inflixons) کا احاطہ کرے۔ بصورت دیگر لغت کا عمومی کردار مروجہ مستعملات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کامل لغت کے بارے میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کی رائے کو مدِ نظر رکھ کر بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ لغت زبان کے تاریخی ارتقاء کے بارے میں کس طرح استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''ایک کامل لغت میں ہر لفظ کے متعلق یہ بتانا ضروری ہوگا کہ وہ کب، کس طرح اور کس شکل میں اردو زبان میں آیا اور اس کے بعد سے اور اس وقت سے تا حال اس کی شکل وصورت اور معنی میں کیا کیا تغیّر ہوئے۔ اس کے کون کون سے معانی متروک ہوگئے اور کون کون سے اب تک باقی ہیں اور اس میں اب تک کون کون سے نئے معنی پیدا ہوگئے''۔ [۵۳]

گویا کہ الفاظ کی تفہیم اور ان کے سیاقی معنی کے علاوہ لغت کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ الفاظ کی ہیئت اور معنیات کی ایک تاریخ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ لسانی تنازعات میں ثالث کا کردار بھی ادا کرتی ہے اور زبان کے معیارات مُقرر کرتی ہے کہ الفاظ کن سیاق وسباق میں کس حیثیت میں استعمال کیے جائیں اور املا اور تلفظ وغیرہ کی مختلف صورتیں کیا ہیں۔ اسی طرح اشتقاق کی سند بھی لغت ہی سے مل سکتی ہے۔ لغت کے اس استفادی

کردار کو جیکسن (Jackson) نے اس طرح واضح کیا ہے۔

"....for the Dictionary buying public, 'the dictionary is not just a referance manual or a record of vocabullary; it provides an authority on how the language should be used and they have recourse to it as an arbites in disputes, about lingustic dispute".[۵۴]

جیکسن کے متذکرہ صدر قول میں ایک بات مُبہم اور ایک متنازعہ فیہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ استعمال کنندہ لُغت سے لفظ کے سیاقی استعمال کے لیے معاونت اور امداد کا طلب گار ہوتا ہے۔ لیکن لغت کی ثالث کی حیثیت مُبہم ہے۔ یعنی کیا لغت بحیثیت مورخ فیصلہ دے یا بحیثیت مصلح۔ اسی طرح کیا لغت یہ اطلاع فراہم کرے کہ زبان کو کس طرح استعمال کیا جائے (How the language should be used" یا زبان کس طرح استعمال کی جاتی ہے۔ اصل میں مبہم اور متنازعہ باتیں آپس میں ایک ربط رکھتی ہیں کیونکہ اگر ہم لغت کا مورخانہ کردار تسلیم کریں تو ماننا پڑے گا کہ کس طرح زبان استعمال کی جاتی ہے۔ بصورت دیگر ہمیں اس کا مصلحانہ کردار ماننا پڑے گا۔ سیموئل جانسن نے بھی اپنی لغت کے منصوبے[۵۵] میں لغت کا مصلحانہ کردار تسلیم کیا تھا۔ لیکن اپنی لغت[۵۶] کے دیباچے میں اُس نے اِس کی نفی کر دی اور تطہیر زبان کے جس منصوبے کو انہوں نے پیش کیا تھا کہ زبان کے خالص پن،

انگریزی روزمرہ کی بازیافت اور تلفظ کے معیار کا تعین کیا جائے، اس منصوبے کے سلسلے میں اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ میرا منصوبہ نہ منطق اور نہ تجربے کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے پھر بھی ناخوشگوار احساس لئے کہتے ہیں:

"If the change that we fear be thus irresistable, what semains but to acquiesce with silence, as in the other insurmountable distresses of humanity. It remains that we retard what we can not repel, that we pulliate what we cannot cure".[۵۸]

لندن کی فلالوجیکل سوسائٹی میں مشہور ماہر لسانیات مسٹر ٹرنچ (Trunch) نے اس سلسلے میں جو خطبے دئے تھے وہ لغت کے مورخانہ کردار اور اس کی ثالثانہ نوعیت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ مسٹر ٹرنچ کی نظر میں لغت نگار ایک مورخ ہے نہ کہ مصلح یا نقاد۔ ہر قسم کی چیزوں کے لیے چاہے وہ اچھی ہوں یا بُری، اعلیٰ، ادنیٰ، خوبصورت، بدصورت، فائدہ مند، غیر فائدہ مند، ہر قسم کے الفاظ کے لیے لغت ترسیل میں مصروف۔ مجموعی طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ لغت کا استناد صرف اس حد تک ہونا چاہیے کہ الفاظ کی صحیح تفہیم، مستند حوالہ جات اور واضح توضیحات میں مدد مل سکے۔

## حواشی:

۱: عربی زبان کو جن علوم میں منقسم کیا گیا ہے وہ ہیں، نحو، صرف، معانی، بدیع، عروض، قوانی، امثال، لغت، استیقاء۔

۲: اردو انسائیکلو پیڈیا، ص۳۳۲ کراچی ۱۹۶۲ء۔ اس میں بھی لفظ، تلفظ، حروف تہجی اور معنی تفصیل طلب 'ہیں' جن پر آئندہ صفحات میں بحث ہوگی۔

۳: المنجد۔ (عربی، اردو)

۴: ایضاً، ص۹۳۶، تاج پبلیشرز دہلی۔

۵: ایضاً۔

۶: المنجد (عربی۔اردو)۔

۷: تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ فکر و آگہی، ڈاکٹر انجمن آرا ۱۹۹۲ء، نیز اردو فرہنگ نویسی کا تحقیقی جائزہ، محمد ضیاء الدین۔ لغت کی مختلف اقسام پر آئندہ صفحات میں بحث ہوگی۔ خاص طور پر فرہنگ، لُغت اور قاموس کا فرق بھی واضح کیا جائے گا۔

۸: فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم ۱۹۴۸۔

۹: امتیاز کی تفصیل آئندہ ملاحظہ ہو۔

۱۰: لغت کو بعض حضرات (مثلاً شمس الرحمٰن فاروقی، امیر مینائی) مذکر مانتے ہیں لیکن میری رائے میں یہ لفظ اردو میں بحیثیت مونث مستعمل ہے۔ اس سلسلے میں 'لغت' بمعنی کتاب لغت کی تانیث کے حق میں ہوں اور ڈاکٹر انجم مصنف فکر و آگہی ۱۹۹۲ء کے ساتھ متفق ہوں۔ البتہ 'لغت' بمعنی لفظ مذکر مانتا ہوں (وارث سرہندی کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ جلد ششم، ۳۸۱۱ نے بھی یہی لکھا ہے۔

۱۱: فیروز اللغات ۱۱۵۷۔

۱۲: لغت نویسی کے مسائل۔ مرتبہ گوپی چند نارنگ۔

۱۳: ڈاکٹر ذکاء الدین شایان، ۱۸ویں صدی کی اردو شاعری کی فرہنگ ۲۴۔۲۳۔

۱۴: مولوی عبدالحق The Standard Englsh Urdu Dictionary۔

۱۵: Tom Me Arthor نے اپنی کتاب Words of Reference

میں سیموئل جانسن کی لغت (1755) ء کے اُس صفحے کا فوٹو شائع کیا ہے جس میں جانسن نے Diction اور Dictionary کا اندراج کیا ہے۔ اصل لفظ یوں ہے۔ Diction-n.s (diction, Fx . Dictio, Lat)

Style, Language Expression......

Dictonary n-s (dictionarian ; (at) A book containg, The words of any language in alphebatical order with explanation of thier meaning, A vocabulary; A word book.

۱۶ : Lexicon اور Vocobulry کے معنی فرہنگ لسانیات کے مطابق لغت/ فرہنگ اور ذخیرہ الفاظ ہیں۔

۱۷ : تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو Tom - MC - Arthur کی کتاب Words of Reference.

۱۸ : اسٹنڈارڈ انگلش اردو ڈکشنری۔ مولوی عبدالحق ۱۵۶

۱۹ : The new Encyclopaedia, Britania

۲۰ : عربی زبان میں قرآن کریم کی صحیح قرآت کے لیے ابتدا میں نحو اور لغت کی تدوین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسی طرح یونانی میں ہومر کی شاعری کی تفہیم کے لیے لغت/ فرہنگ کی ضرورت پڑی۔ اور فارسی زبان کے ہندوستان اور ترکی میں درباری زبان بننے کے نتیجے میں ان ممالک میں لغات کی تدوین ہوئی۔ اسی طرح عیسائیت کی وسعت کے ساتھ ساتھ، لاطینی۔ فرانسیسی، لاطینی۔ انگریزی وغیرہ لغات وجود میں آ گئیں (مزید تفصیلات کے لیے آئندہ صفحات ملاحظہ ہوں)۔

۲۱ : Words and their meaning - Jackson ص۳۵

۲۲ : ذکاالدین شایاں، ۱۸ویں صدی کی اردو شاعری کی فرہنگ۔ ص۲۵

۲۳ : Lexicography principles and practice page34 مشمولہ On theory & Practice by R-R-K-Huitman

۲۴ : ہر چند کہ ترقی اردو بیورو کی فرہنگ لسانیات میں Equivalent کے معنی

متر ادف اور مرادف دونوں دیے گئے ہیں لیکن ان میں واضح فرق ہے۔ کسی زبان میں مرادفات یعنی ہم معنی الفاظ ہو ہی نہیں سکتے البتہ متر ادفات یعنی قریب المعنی الفاظ ہوتے ہیں۔ لیکن دو زبانوں میں مرادفات ناگزیر ہیں۔ کیونکہ مختلف زبانیں بولنے والوں میں مرادفات ہی کی مدد سے ترسیل عمل میں آتی ہے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہو۔

۲۵ : حروف تہجی (الفا بیائی طریقہ) کے ساتھ ساتھ نسبتی یا موضوعی لغت نگاری (Thematic Lexicography) بھی لغت نگاری کے زمرے میں آتی ہے۔ البتہ اول الذکر طریقہ مرجع تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اس طریقے کے زبان کو ریزہ ریزہ کرنے کے غیر فطری عمل کے باوجود Tom MC Arthur نے ان الفاظ میں ان دو طریقوں کی نشاندہی کی ہے۔

"The thematic mode, the older of the two procedures for handling such things as memorization,classification and the marshalling of information for reference purposes. The alphabetic mode, the younger and currently dominent of the two procedures most apparent in standard dictiionaries and encyclopedias, and taken by a majority of people as definitive of the whole genre." (Tom MC Arther - Words of Reference, Page 80)

اسی طرح تاریخ، مخرج اور ماخذ کے بغیر بھی لغات کو لغت نگاری کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً چند متفرقہ لغات کو چھوڑ کر پلیٹس اور پاکستانی تاریخی لغت میں کسی حد تک ان عناصر کا اندراج ہے۔ مزید اردو کی معدودے چند لغات میں ہی تلفظ کی نشاندہی ملتی ہے۔ تشریحات اور حوالوں کے ضمن میں بھی یہی صورت حال ہے۔

۲۶ : Words and their meaning - Howard Jackson

۲۷: The new encyclopedia Britanica Vol XI 15th Edition, Page 187

۲۸: Longman's Consice English Dictionary

۲۹: Collins English Dictionary

۳۰: Words and their Meaning - Howard Jackson

۳۱: Words & their meaning - Howard Jackson, Page 241

۳۲: بحوالہ ایضاً

۳۳: ماہرین اب تک لفظ بمعنی Word کی مکمل تشریح نہیں کر سکے البتہ لغوی لفظ کے طور پر ماہرین Lexeme پر متفق ہیں۔ ان دو کے درمیان فرق کی وضاحت کیلئے آئندہ صفحات میں بحث ہوگی۔

۳۴: یکساں املا اور تلفظ لیکن مختلف معنی والے الفاظ۔

۳۵: ایک لفظ جس کے بہت سے معنی ہوں۔

۳۶: Longmans Consice English Dictionary

۳۷: Collins English Dictionary

۳۸: اسٹنڈ ارڈ انگلش اردو ڈکشنری۔ ۸۸۷

۳۹: The new encyclopedia Britanica . Vol-III, 15th Edition, Page : 187

۴۰: شمس الرحمن فاروقی۔ اردو لغت اور لغت نگاری۔ مشمولہ لغت نویسی کے مسائل۔ ۵۸

۴۱: بحوالہ R.R.K. Hustman مشمولہ Lexicography principles and practice، ۹

۴۲: بحوالہ R.R.K. Hurtman۔ مشمولہ Lexicography Principles & Practice، ۹

برگ اوانز جرمنی کا مشہور لغت نگار اور ماہر لسانیات (۱۷۸۵ء تا ۱۸۶۳ء) تھا جس نے اپنے بھائی ولیم اوانز (۱۷۸۶ء تا ۱۸۵۹ء) کی مدد سے جرمن زبان کی

لغت Deutschs woo Rterbunch لکھی۔

۴۳ : اردو، جو کہ ایک جدید ہند آریائی بان ہے، نے ہند ایرانی خاندان السنہ کی زبان فارسی سے زبردست حد تک لسانی اخذ وقبول کیا ہے۔ اردو کی ماں سنسکرت اور فارسی کی ماں قدیم ژند میں زبردست مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ زرتشتیوں کی مقدس کتاب اوستا اور ہندوؤں کی رگ وید میں زبردست لسانی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسلئے الفاظ کے مآخذ اور تاریخ کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ املا، تذکیروتانیث اور متروکات جیسے تنازعات میں صفحوں کے صفحے سیاہ کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ رسم خط کے بارے میں بھی اب تک گومگو کی حالت ہے۔ اہل زبان اور غیر اہل زبان اور لکھنوی اور دہلوی معیار بندی کا جھگڑا طول پکڑتا جارہا ہے۔ یہی حالت دیگر زبانوں میں بھی ہے۔ فارسی میں وساتیر کے الفاظ اور ہزوارش (جن کی تفصیل آئندہ دی جائے گی) ابھی تک عقدہ ہائے لاینحل ہیں۔

۴۴: R.R.K Hurtman کی نظر میں دارالخلافہ کی بولی ہی معیار مقرر ہوئی ہے۔

۴۵ : Lexicography principles and practice - R.R.K Hurtman.۱۱٦

۴٦ : An Anatomy of a Dic - Entry - Ashok, R-Kelker مشمولہ Indian Linguistica جلد،۲۹۔۱۹۶۸ء، ۱۴۳

۴۷ : Kelker مذکور، ۲

۴۸: بحوالہ شان الحق حقی، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ۔٦

۴۹ : ماہرین لسانیات اور علماء کے نزدیک اہل زبان اور غیر اہل زبان کی تفریق بے معنی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ شمس الرحمن فاروقی۔ ''تذکیروتانیث کے بارے میں'' مطبوعہ شب خون۔ الہ آباد ۱٦۳

۵۰: R.R.K. Hurtman، متذکرہ صدر۔۱۱

۵۱ : Lexicography & Generatic - Grammer Lakouf بحوالہ Bwight Boluiges مشمولہ Dictionaries Lexicography and Language Learning ۳

۵۲: Bwight Boluiges مشمولہ Dictionaries -Lixicograpy and Language مرتبہ Robert Ilron ۔

۵۳: مولوی عبدالحق۔ مقدمہ اردو لغت (تاریخی اصول پر) کراچی، پاکستان ۵

۵۴: Words and their meaning, Jackson

۵۵: Plan for a dictionary of Eng. Language 1747, Somoul Johnson.

۵۶: ایضاً، Dictionary of the English Language (1755)

زبان کے معیارات کا تعین جانسن کے دوست لارڈ کرسٹا فیلڈ (Lord Cherstae field کے نظریات کی بازگشت تھی، جو کہ اس نے اپنی کتاب Letter to the world میں پیش کئے تھے۔ اس میں موصوف نے انگریزوں کی غیرت کو للکارا تھا کہ ان کی لغات میں رطب و یابس کی بھرمار ہوتی ہے جو کہ پڑھنے والوں کی بدوقی کے لیے ذمہ دار ہے۔ اس لیے زبان کو معیاری بنانے کی ضرورت ہے۔ (ملاحظہ کیجئے تفصیل کے لیے Tom MC Arthur کی کتاب Words of Refrence)۔

۵۷: Tom MC Arthur کی کتاب Words of refrence ۹۷

۵۸: ۱۸۴۲ء میں لندن میں فلالوجیکل سوسائٹی قائم کی گئی۔ جس کے مقاصد میں انگریزی زبان کی ساخت، اس کے خاندان اور اس کی تاریخ کی تحقیق شامل تھی۔ نے دو مقالے بہ عنوان "On some deficienceis in our english language" پڑھے۔ جس کے نتیجے میں آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی بنیاد پڑی۔ اس کی ابتداء ۱۸۵۷ء میں ہوئی اور اسکی پہلی اشاعت ۱۹۲۸ء میں سامنے آئی۔ (تفصیل کے لیے متذکرہ الصدر کتاب ملاحظہ ہو)

# لغت، فرہنگ، قاموس

عام لوگوں کی نظر میں تمام لغات ایک جیسی ہیں اور ایک بار لغت خرید نے پر وہ ہمیشہ کے لیے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ چونکہ زبان ایک تغیر پذیر ادارہ ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آنا ناگزیر ہے۔ لغت زبان کے ذخیرۂ الفاظ کا ریکارڈ ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ہونے والی تبدیلیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے، اس لیے وقت گزرنے کے ساتھ نئی لغت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے علاوہ لغات ضخامت، ترتیب، زبان اور موضوع کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ استعمال کنندگان کی مختلف ضروریات کے تحت لُغات وجود میں آتی ہیں۔ ضخامت کے لحاظ سے لغت کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ا۔ کلان، ۲۔ مختصر اور ۳۔ جیبی۔ کلان لغت زبان کے سرمایۂ الفاظ کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف حوالوں اور اسناد کی بُنیاد پر ان کی مبسوط اور جامع تشریح بھی کرتی ہے۔ اس قسم کی لغت کو حوالہ جاتی لغت (reference lexicon) کہا جاتا ہے اور اس میں تنوع اور تفصیل کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ عام طور پر کلاں سائز کی لغت تاریخی اصول پر مبنی ہوتی ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے[۱]۔ مختصر (consise) لغت زیادہ تر گھریلو استعمال اور طلبہ کے لیے مختص ہوتی ہے۔ اس میں کلاں سائز کی لغت کے عناصر ضرور ہوتے ہیں لیکن تراش خراش کے

ساتھ[۲]۔ جیسی (pocket) لغت، گھر، دفتر، اسکول اور دیگر جگہوں پر استعمال ہوتی ہے۔ اس میں بعض متعیّن الفاظ اور ان کے عمومی مترادفات درج ہوتے ہیں[۳]۔ انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں ایک ہی لغت تینوں اقسام میں دستیاب ہے لیکن اردو میں اس کا رواج نہیں ہے[۴]۔ ترتیب کے اعتبار سے بھی لغت کی کئی قسمیں ہیں جن میں الفابیائی طریقۂ ترتیب مرّجع ہے۔ اس کی وجہ مطلوبہ لفظ کا آسان حصول ہے۔ تمام حوالہ جاتی کاموں میں یہی طریقہ رائج ہے۔ حالانکہ اس کو بیشتر ماہرین نے زبان کو ریزہ ریزہ کرنے کا غیر فطری عمل قرار دیا ہے[۵]۔ لیکن لغت نگاری کے مرّوجہ ضوابط میں اس طریقہ کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ جہاں دیگر زبانوں میں یہ طریقہ اب اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے وہاں اردو میں ہنوز یہ امر تصفیہ طلب بنا ہوا ہے کہ کن الفاظ کو حروف تہجی قرار دیا جائے[۶]۔ عربی لغت نگاری میں لفظ کو ابتدائی حرف کے بجائے آخر کے حرف کی بنیاد پر درج لغت کیا جاتا تھا تاکہ قافیہ چننے میں آسانی ہو۔ نیز طریقۂ ابجد بھی رائج تھا جو کہ عربی اور دیگر اسلامی زبانوں میں آج بھی رائج ہے[۸]۔ الفابیائی طریقے کی دوسری قسم حروفِ تہجی کے بدلے صوتیات پر مبنی تھی[۹]۔ لیکن ان تمام طریقوں میں الفابیائی طریقہ ہی زیادہ کامیاب ہوا جو کہ آج کی لغت نگاری کا اہم جزو مانا جاتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ الفابیائی طریقہ ہر کسی قسم کے سُقم سے پاک ہے۔ بیشتر لغات الفابیائی ہونے کے باوجود ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ بعض لغات بنیادی اندراج[۱۰] کے تحت اس کے ذیلی اندراجات درج کرتی ہیں۔ مثلاً نوراللغات میں ''صاحب'' کے تحت صاحب اختیار، صاحب اخلاق، صاحب اقبال جیسے بیسوں اندراجات ملتے

ہیں۔ لیکن فیلن کی لغت میں ''**دل**'' کے بعد دوسرا اندراج ''دلچسپ'' ہے اور ''دل'' کے تحت ذیلی اندراجات کو مربوط الفابیائی طریقے کے تحت اپنی اپنی جگہوں پر درج کیا گیا ہے۔ گویا یہ طریقہ بھی اتنا سہل الحصول نہیں جتنا اس کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ نیز یہ طریقہ' جیسے کہ پہلے کہا گیا ہے' الفاظ کو ان کے معنیاتی نظام سے اُکھاڑ کر منتشر کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مغربی ماہرین موضوعاتی لغت نگاری Thematic Lexicography کی طرف متوجہ ہوئے ہیں[۱۱]۔ اس طریقے کے تحت زبان کے سرمایۂ الفاظ کو مختلف معنیاتی میدانوں Semantic Fields[۱۲] میں منقسم کرتے ہیں۔ ہر میدان کے الفاظ کسی نہ کسی طرح معنیاتی طور پر مربوط ہوتے ہیں[۱۳]۔ اردو میں اس قسم کی کوئی لغت نہیں ملتی۔

زبان کے لحاظ سے لغات کو تین اقسام میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۱۔ کثیر لسانی لغت (Multilingual Dictionary)۔ ۲۔ دو لسانی لغت (Bilingual Dictionary) اور، ۳۔ یک لسانی لغت Mono Lingual Dictionary۔ تفاعل کے لحاظ سے کثیر لسانی اور دو لسانی لغات کا مقصد تقریباً یکساں ہے۔ اس لیے لغات کو دو اقسام میں ہی منقسم کریں گے۔ (۱) زائد از یک لسانی لغت اور (۲) یک لسانی لغت۔ پہلی قسم کی لغات مختلف تہذیبوں، تمدنوں یا معاشرتوں کے آپسی تصادم کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں[۱۴]۔ یعنی مختلف لسانی گروہوں کو ترسیل کے لیے ایک دوسرے کی زبانیں سیکھنا پڑتی ہیں۔ یہ لغات اصل میں مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ کے مرادفات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس کے لئے لغت نگاروں کا دونوں زبانوں پر

کامل دستگاہ اور ان کے مزاج اور تاریخی ارتقاء پر عبور ہونا چاہیئے۔ اس کے باوجود مختلف زبانوں کے تاریخی پس منظر کی وجہ سے مرادفات خصوصاً روزمرّہ کی منتقلی ناممکن سی بات ہے۔ یک لسانی لغت زبان کے ذخیرہ کا ریکارڈ ہے جس میں ایک ہی زبان کے الفاظ کی مختلف توضیحات اور اسناد کے سیاق وسباق میں وضاحت کی جاتی ہے۔

مواد کی تقسیم کے لحاظ سے لغات کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) فرہنگ، (۲) لغت (۳) قاموس (۴) قاموسی لغت۔ فرہنگ کے بارے میں پہلے ہی کہا گیا ہے کہ یہ فارسی میں لغت (Dictionary) کے لیے مختص ہے لیکن اردو میں یہ انگریزی (Glossory) کے زمرے میں آتی ہے۔ لغت کا مترادف (Dictionary) ہے۔ اسی طرح قاموس کا مترادف (Encyclopeadia) ہے۔ فرہنگ اور لغت میں ڈاکٹر ذکاء الدین شایاںؔ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں فرق واضح کیا ہے۔

''لغت اپنے تمام سیاق وسباق میں عمومیت کی حامل ہوتی ہے فرہنگ اس کے برخلاف اپنے موضوع کے حدود میں خصوصیت کا طرز اختیار کر لیتی ہے۔ فرہنگ چونکہ کسی ''شعبہ علم کی اطلاعات'' سے تعلق رکھتی ہے'' [۱۵]۔

شرح زبان کے مختلف شعبہ ہائے علوم کے لیے الگ الگ فرہنگیں قرار دی جاتی ہیں جو اپنے مخصوص اور محدود دائرہ میں لغت کا حکم تو رکھتی ہیں لیکن عمومی لغات کے زمرے میں نہیں آتی ہیں۔ نثر، شعر، ادبی اصطلاحات وغیرہ کے علاوہ مختلف شعراء اور ادوار کی فرہنگیں مرتب کی گئیں ہیں [۱۶]۔ اس کے علاوہ سماجی، سیاسی اور سائنسی علوم کی فرہنگیں بھی اس زمرے میں آتی ہیں۔

ان فرہنگوں کو تکنیکی یا (Academic) لغات کہا جا سکتا ہے۔ لسانی اور محدود دائرے کے اعتبار سے انسائیکلوپیڈیا برطانیکا لغات کے درمیان اس طرح فرق کرتی ہے۔

"Also within the sphare of lexicography is preparetion of bilingual or multilingual dictionaries, in which words of one language are listed with their equivalants in another, and dictionaries of specialized terms from such fields as chemistry, music or botony".[۱۷]

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ اردو میں لفظ "قاموس" اپنی اصل یعنی عربی کے معنوں میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اردو میں اس کے معنی انسائیکلوپیڈیا (Encyclopeadia) کے ہیں۔ قاموس اور لغت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ لغت الفاظ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور قاموس اشیاء کے ساتھ۔ قاموس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اشیاء کے الفاظ کس زبان کے ہیں اور ان کی تصریف شدہ شکلیں کیا ہیں اور نہ الفاظ کے سیاق استعمال کے بارے میں کوئی بیان ہوتا ہے۔ لغت اور قاموس کے درمیان بابائے اردو نے اس طرح تفاوت واضح کی ہے۔

"ان سائیکلوپیڈیا کا یہ کام نہیں کہ وہ فوج، گھاٹ، البتہ جیسے الفاظ کا ذکر کرے یا ان کی تاریخ وتشریح کا بیان کرے۔ اسی طرح لغت میں جلد سازی کی معلومات یا ہوائی جہاز کی

ساخت و تاریخ کا بیان بے محل ہوگا''[۱۸]۔

انگریزی کی مشہور و مبسوط لغت (CODCE) کے مقدمے میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ مبسوط ہونے کے باوصف قاموس کی حدود میں داخل نہیں ہوتی ہے کیونکہ یہ الفاظ کے ساتھ نہ کہ ان اشیاء کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جن کا حوالہ الفاظ میں ملتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ ان الفاظ کے صحیح استعمال کے لیے مرتّب کی گئی ہے[۱۹]۔ لیکن بعض ماہرین ایک مخصوص کام کی لغت کو متعلقہ دائرے کا قاموس کہتے ہیں[۲۰]۔ اور ایسی لغات کو قاموسی لغات کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ لغت کا قاموسی تفاعل ہے۔ کیونکہ کچھ الفاظ جو اشیاء کی علامات ہوتے ہیں، کی توضیع تب تک ناممکن ہے جب تک کہ ان اشیاء کی اجمالی تفصیل نہ دی جائے اور یہیں پر لغت اور قاموس میں باریک حدِ امتیاز رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر اشیاء کی تفصیل وضاحت کے ساتھ دی جائے تو وہ قاموس کی حدود میں داخل ہو جائے گی۔ مشہور ماہر لسانیات اور لغت نگار اشوک، آر، کیلکر نے لغت اور قاموس کے فرق اور امتزاج کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے کہ لغت کے قاموسی کے تفاعل میں کس طرح لسانی عناصر کی برتری قاموسی اور عمرانی عناصر پر ناگزیر ہے۔

"It is obvious that a dictionary will have to take encyclopeadially about the things reffered to and their place in the culture that the language is a vehicle of, but it is equally clear that their encyclopeadiac and

ethnographic elements must not squeeze out properly linguistic information supplying which is the basic function of a dictionary"[21]

یک لسانی لغت اصل میں صراحتی (Explanatory) نوعیت کی ہوتی ہے اور یہ اہل زبان کی ضرورتوں کے پیش نظر لکھی جاتی ہے۔ اس قسم کی الفابیائی طریقے پر مرتب کی گئی لغت کو تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) ابتدائی مواد (Front Matter)۔ (۲) ضمیمے (Appendics) اور (۳) مرکزی حصہ (Main body)۔ ابتدائی مواد لغت کے مطالعے کے لیے زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ یہی حصہ لغت سے استفادہ کرنے کے لیے رہنما ثابت ہوتا ہے۔ عام طور پر اس حصے میں اراکین لغت اور معاونین کے ناموں کی فہرست دی جاتی ہے[22]۔ مزید ان معاونین کی فہرست بھی دی جاتی ہے جو کہ باضابطہ طور پر ادارۂ لغت کے ساتھ منسلک تو نہیں البتہ اطلاعات فراہم کرنے میں ادارہ کی مدد کرتے رہے[23]۔ اس کے علاوہ مقدمہ بھی اس حصے میں شامل ہوتا ہے جو کہ لغت کی ترتیب کے محرکات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس کی خصوصیات بیان کرتا ہے۔ ابتدائی مواد کا سب سے ضروری حصہ وہ ہدایات ہیں جو کہ لغت کے استعمال کے لیے رہنما ہوتی ہیں[24]۔ ان میں علاماتِ تلفظ اور مخففات کی وضاحت ہوتی ہے جن کے ساتھ لغت کے بقیہ حصے میں سامنا ہونے کی اُمید ہے[25]۔ اس کے علاوہ مختلف لغات میں مختلف مضامین مثلاً تاریخ زبان[26]، تلفظ[27]، معنیات[28]، وغیرہ بھی درج ہوتے ہیں۔ لیکن بقول جیکسن (Jackson)[29] یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر

استعمال کنندگان اس حصے کا سرے سے ہی مطالعہ نہیں کرتے ہیں حالانکہ یہی حصہ مطلوبہ اطلاع کے آسان حصول میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ضمیموں کے حصے میں تصحیح نامے، اغلاط نامے، توسیع نامے، ناپ وتول کے پیمانے، اسمائے ممالک، اسمائے دارالخلافہ جات، اسمائے وزرائے اعظم، اسمائے صدورِ ممالک یا مختلف ممالک اور براعظموں کے نقشے دیے جاتے ہیں۔[۳۰]

لغت کا اہم ترین حصہ اس کا مرکزی حصہ (Main body) ہے۔ اس میں الفاظ کا اندراج، تلفظ، قواعدی نوعیت، مآخذ لسانی، مترادفات اور اسناد و حوالے ہوتے ہیں۔ مشہور ماہر لسانیات اشوک، آر، کیلکر نے ہندوستانی زبانوں کے لغوی اندراج کی جو تفصیل دی ہے اس کا خلاصہ یوں ہے۔

۱۔ سرلفظ اپنے رسمِ خط میں۔

۲۔ لفظ رومن یا دیوناگری رسمِ خط میں۔

۳۔ مآخذ لسانی، سنسکرت، فارسی، انگریزی وغیرہ۔

۴۔ جزو کلام (قواعدی نوعیت)

۵۔ یک لسانی لغت کی صورت میں مترادفات۔

۶۔ دو لسانی لغت کی صورت میں کلام کا ذیلی جزو۔

۷۔ محاورات اور ان کے مترادفات۔

۸۔ ادبی متون سے حوالہ جات۔

۹۔ اشتقاقیات۔

۱۰۔ مآخذات۔

ان میں سے بعض اجزاء بعض لغات میں سرے سے ہی موجود نہیں

ہوتے ہیں یا ان کی ترتیب میں الٹ پھیر ہوسکتا ہے۔ آخر پر ایک اندراج اور دوسرے اندارج کے درمیان حوالہ/مراجعہ متقابل (Cross Reference) دیا جاتا ہے[۳۱]۔ عام طور پر سرلفظ[۳۲] کو جلی حروف میں لکھا جاتا ہے۔ تلّفظ کے لیے علامتی طریقہ کار کے علاوہ ملفوظی طریقہ بھی رائج ہے۔ مآخذ لسانی اور قواعدی نوعیت کے لیے مخففات استعمال کئے جاتے ہیں اور مترادفات کی وضاحت کے لیے مشاہیر کی اسناد بھی ملتی ہیں لیکن دیگر کمیوں کے باوجود اردو میں تلّفظ کی ناہمواری، مترادفات کی پیچیدگی اور اسناد وحوالہ جات کا فقدان نظر آتا ہے جس کی تفصیل آئندہ دی جائے گی۔

## حواشی:

ا: کلان سائز کی لغات میں ہر اطلاع پوری وضاحت کے ساتھ دی جاتی ہے لیکن عام قاری کے لیے ہر کوئی اطلاع اہم نہیں ہوتی۔ مثلاً مترادفات کے متلاشی کے لیے قواعدی اطلاعات غیر ضروری ہیں، اسی طرح تلفظ کے لیے لغت کی طرف رجوع کرنے والے کے لیے الفاظ کی ہیئتی اور معنیاتی تبدیلیاں اضافی ہیں۔ مادری زبان کے قاری کے لیے اکثر الفاظ لغت کے غیر ضروری حصے ہیں لیکن بقول بابائے اُردو کامل لغت کے لیے ہر قسم کے الفاظ کا اندراج اور ان کی مبسوط تشریح ضروری ہے۔ مغربی لغت نگاری میں آج کل اس بات پر زبردست بحث چل رہی ہے کہ کلان سائز کی لغت میں ہر قسم کی اطلاعات کے بجائے خصوصی اطلاعات پر مبنی خصوصی لغات میں ہی شائع کی جائیں۔ مثلاً تلفظ، ماخذ وغیرہ کے لیے الگ الگ لغات، اسی طرح مختلف علوم وفنون پر الگ لغات لکھی جائیں۔ ترقی اردو پاکستان نے صرف ولی کے وقت سے الفاظ کا اندراج کیا ہے، قدیم اردو کا نہیں۔

۲: تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو Jackson کی کتاب Words and their meaning۔ مختصر لغت (Concise) میں عربی ضرب المثل خیرُ الکلامِ ماقلّ وَدلّ نظریہ کارفرما ہوتا ہے یعنی مختصر لیکن مُدلّل۔

۳: جیمز پبلشرز (لندن) کے لغت نگار Batty Kirkpatric نے اس بات کو لغت نگاری کا المیہ مانا ہے کہ ہر استعمال کنندہ چاہتا ہے کہ اس کے استعمال کی لغت ہر چیز کا احاطہ کرے حتیٰ کہ اس لفظ کا بھی جو اشاعت سے ایک دن قبل بھی وضع ہوا ہو۔

۴: مثلاً انگریزی کی ایک ہی لغت Chambers English Dictionary کی ضخامت کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں۔ جن میں کلان سائز کی لغت میں ۴۲x ۱۷ سنٹی میٹر کے ۱۶۹۰ صفحات ہیں جس میں ۱۶۲۰۰۰ اندرجات ہیں۔ مختصر سائز کی لغت ۲۱x ۱۳ سنٹی میٹر کے ۱۳۷۹ صفحات ہیں جس میں ۹۶۰۰۰ اندراجات ہیں

اور جیبی (Pocket) لغت میں ۱۰۰۵x۱۸ سنٹی میٹر کے ۹۹۲ صفحات میں ۷۰۰۰۰ اندراجات ہیں۔ اردو میں فیروز اللغات واحد ایسی لغت ہے جو مختصر (Concise) اور جیبی pocket سائز میں دستیاب ہے۔

۵: بیشتر ماہرین لسانیات مثلاً Pawley, Jackson, Bolinger اور Syder نے اس طریقے کو زبان کو جڑ سے اکھاڑنے کا غیر فطری عمل قرار دیا ہے کیونکہ الفاظ ایک دوسرے کے ساتھ معنیاتی انسلاکات رکھتے ہیں۔ الفاظ کے درمیان معنیاتی ربط اور مرکزیت اس طریقہ کی وجہ سے متاثر ہوتی ہے اور ان کو اپنی اصل سے الگ کر کے پیوندکاری کی جاتی ہے لیکن یہ پارہ دوزی، لفظ کے آسان حصول کے لیے ناگزیر ہے اور الفاظ کو بقول بولنگر ''ترکاریوں کی طرح قطار میں رکھ کر'' سیاقی استعمال کے لیے حوالوں سے کام لے کر ان میں معنیاتی ربط قائم کیا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے Dwight Belinger مشمولہ Dictionaries, Lexicography and Language learning.

مرتبہ Robert Ilson۔ نیز Jackson کی کتاب۔ words and their meaniang.)

۷: تفصیل آئندہ دیکھیے۔

۸: الجوہری کی لغت، کتاب ''الصحاح'' اس طریقہ کی بہترین مثال ہے۔ (تفصیل آئندہ ملاحظہ ہو)

۹: خلیل بن احمد کی لغت ''کتاب العین'' ہر چند کہ الفابیائی طریقے پر مرتب کی گئی ہے لیکن کہیں کہیں صوتیاتی طریقہ بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ صوتیاتی طریقہ سنسکرت کی بیشتر لغات مثلاً ''نگھنٹو'' میں بھی ملتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے S.M. Yousuf کا مضمون "Arabic Literature, Grammer & Lexicography، مشمولہ A History of Muslim Philosophy۔

۱۰: بنیادی اندراج کے زمرے میں لاحقے (Suffix) بھی لائے جاتے ہیں۔ مثلاً

عدم کے تحت، عدم پیروی، عدم تحفظ وغیرہ۔

۱۱: انگریزی میں اس کی بہترین مثالیں روگوٹ (Roge) کی لغت Thesaurus اور تام میک آرتھر Tom.Mc.Arthur کی لغت Lexicon ہیں۔ ان میں بھی آخر الذکر کو زیادہ بہتر تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۲: Semantic field کا ترجمہ معنیاتی میدان ترقی اردو بیورو کی فرہنگ لسانیات میں دیا گیا ہے۔

۱۳: یہ طریقہ بہت پہلے بھی رائج تھا۔ مثلاً عربی میں ابن قطبیہ کی لغت اور انگریزی۔ سکسانوی لغت مرتبہ Aelfic ۱۰۱۰ء، ۹۵۵ھ۔ ان میں سے اول الذکر اسلامی نظریات اشیاء اور موخر الذکر عیسائیوں کے دینوی و دنیاوی امور کی فہرست پر مشتمل تھیں۔ Aelfic کی لغت vocabularians میں ۱۸/ابواب قائم کئے گئے تھے۔ جن میں پہلا باب خدا، فرشتے وغیرہ پر اور دوسرا انسان اور اس کے متعلقات پر تیسرا رشتوں پر چوتھا بیماریوں پر پانچواں مجرد اصطلاحوں پر مشتمل تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے Tom.Mc.Arthur کی کتاب words of reference۔ عربی لغت نگاری میں الاصمعی کا نام موضوعاتی لغت نگاری میں زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ (۱۲۲ھ/۷۳۹ء، ۲۱۲ھ/۸۳۲ء)

۱۴: یورپی زبانوں میں لاطینی سیکھنا اور سمجھنا لغت نگاری کی ابتداء کا موجب بن گیا۔ عیسائیت کے پھیلاؤ کے نتیجے میں مختلف تہذیبیں متصادم ہوئیں جس کے نتیجے میں لاطینی یونانی اور یونانی لاطینی حاشیائی لغات وجود میں آگئیں۔ اسی طرح فارسی اردو اور اردو فارسی یا انگریزی اردو، اردو انگریزی لغات بھی فاتحین اور مفتوحین کے درمیان ترسیلی رابطہ قائم کرنے کے لیے وجود میں آگئیں۔

۱۵: ...ذکاء الدین شایان، ۱۸ ویں صدی کی شاعری کی فرہنگ۔ ۲۹

۱۶: بابائے اردو مولوی عبدالحق نے مختلف علوم کی فرہنگیں مثلاً اصطلاحات علمی، اصطلاحات پیشہ وراں وغیرہ ترتیب دے کر نہ صرف اردو میں Specialist Lexicography کا باقاعدہ آغاز کیا بلکہ فرہنگ اور لغت کے درمیان بھی خط امتیاز قائم کیا۔ حال ہی میں ترقی اردو بیورو دہلی نے فرہنگ لسانیات، فرہنگ

ادبی اصطلاحات، فرہنگ اصطلاحات حیوانات، کیمیا، معاشیات، نباتات، انسانیات وغیرہ شائع کی ہیں۔

۱۷: Encyclopeadia Britanica - 15th Edition

۱۸: ڈاکٹر مولوی عبدالحق (مرحوم) اُردو لغات و لغت نویسی۔ مشمولہ اردو لغت (تاریخی اصول پر) کراچی جلد اول، ۹

۱۹: The concise oxford dictionary of current English - H.W.s F.G Fowbi۔(۱۹۱۱)

۲۰: Words of Referacce - Tom, MC. Arthur.۔ص ۱۰۴

۲۱: Ashok R. Kelkar، مشمولہ Indian Lingustics، جلد ۲۹، ص ۱۴۴، ۱۹۶۸ء

۲۲: اردو لغت (تاریخی اصول پر) کراچی کے بغیر تمام اردو افات انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے اراکین اور معاونین کے ناموں کی فہرست کا اردو لغت نگاری میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ بعض مرتبین مثلاً فیلن (صاحب فرہنگ آصفیہ) وغیرہ نے معاونین کا مقدموں میں تذکرہ کیا ہے۔ اردو لغت (کراچی) واحد ایسی لغت ہے جو کہ جدید اصولوں کے تحت مرتب کی گئی ہے۔ اس میں اراکین و معاونین کی باقاعدہ فہرست ہے۔

۲۳: ان میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ماہرین ہوتے ہیں۔ مثلاً ماہرین فلکیات و ہوابازی وغیرہ اس کے علاوہ متعلقہ زبان کے ماہرین مثلاً ماہرین تغیرات زبان (Variant Specialists) بھی ہوتے ہیں۔

۲۴: اس جزو کو انگریزی میں Key کہتے ہیں۔ اردو میں اس کے مرادفات کنجی، چابی، کلید وغیرہ ہیں۔

۲۵: اردو لغات میں ابتدائی کلیدی (key) مواد کا حصہ بڑا کمزور ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ مخففات السنہ مثلاً عربی کا 'ع' سنسکرت کا 'س'، فارسی کا 'ف' ملتے ہیں۔ علاماتِ تلفظ یا تو سرے سے ہی موجود نہیں ہیں، اگر ہیں بھی تو غیر منطقی انداز میں (تفصیل کے لیے آئندہ صفحات ملاحظہ ہوں)

۲۶: Webester's Collegiate Dictionary، المنجد، آصفیہ۔

۲۷: Collins English Dictionary

۲۸: ایضاً۔

۲۹: Words and their meaning - Jackson، ۳۷۔۳۸

۳۰: اردو لغات میں ضمیموں کی روایت نہیں ہے البتہ بعض لغات کے ابتدائی مواد میں تصیح نامے ملتے ہیں۔ مثلاً فیروز اللغات ـــ توسیع ناموں کی ضرورت اس لیے نہیں پڑتی کیونکہ اردو لغات میں ترمیم و اضافے کی صورت میں اس کو نئے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مثلاً غرائب اللغات پر تصحیح و اضافہ کر کے خان آرزو نے اسے اپنی مرتب کردہ لغت نوادر الالفاظ کے نام سے شائع کیا۔ امیر اللغات کا بھی یہی حال ہے جس کی تفصیل اردو لغات کا زرّیں عہد میں دی جائے گی۔

۳۱: An Anatomy of a dictionary Entry - Ashok R-Kelker ص: ۱۴۳۔۴۴، مشمولہ Indian Lingustics، جلد ۲۹، ۱۹۶۸ء

۳۲: سرلفظ کے اندراج کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے ہیں ان میں مفردات، مرکبات، محاورات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیقیوں سے بھی سرلفظ بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسماء خاص کو بھی بعض لغت نگاروں نے لغوی اندراجات تسلیم کیا ہے۔

# عربی لُغت نگاری کی روایت

جیسا کہ ابتدائی صفحات میں مذکور ہے کہ مذہب، شاعری اور سیاست نے زبانوں کی ترویج و اشاعت میں اہم حصہ ادا کیا ہے۔ عربی زبان کے حوالے سے بھی یہ تینوں محرکات کم و بیش کارفرما رہے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں مُعلقات[۱] کی صورت میں شاعری نے زبان کی ترویج میں اہم رول ادا کیا اور اسلامی نظام میں مذہب اور سیاست اس کے پسِ پُشت رہے۔ عرب ایک بہادر قوم ہے اور ہر بہادر قوم اپنی روایات پر نازاں رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اسلاف کے کارناموں، اپنی قبائلی روایات اور اپنی زبان پر فخر کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ کی کتاب قرانِ کریم اور رسول اللہؐ کے فرمودات بھی اس زبان میں شامل ہوئے تو یہ اور بھی باعثِ افتخار بن گئی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے درس قرآن دینے والوں کے لیے یہ ضروری قرار دیا تھا کہ وہ عربی لغت (زبان) سے پوری طرح واقف ہوں[۲]۔ عربی زبان کے یہ دو اشعار اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اہل عرب کس طرح زبان کی ضرورت اور فضیلت پر کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

حفظا اللغات علینا　　　فرض کفرض الصلواۃ
فلیس یضبط دین　　　الا بحفظ اللغات[۳]

یہی وجہ ہے کہ جب عربی زبان میں لغت نگاری کی باضابطہ ابتداء ہوئی تو

علم حدیث اور علم لغت کو جڑواں علوم سمجھا جانے لگا۔ جس طرح احادیث نبویؐ جمع کرنے میں تواتر، سند اور دیانت وغیرہ کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اسی طرح الفاظ کی جمع آوری میں بھی زبردست احتیاط کا التزام رکھا جاتا تھا[۴]۔

عربی لغت نگاری کی ابتدا میں اسلام کا زبردست عمل دخل رہا ہے۔ اسلام کی اشاعت اور وسعت کے ساتھ ہی جب عربوں اور غیر عربوں (عجمیوں) کے درمیان تہذیبی اختلاط ہوا، جو کہ بالعموم تجارتی روابط اور آپسی شادیوں کی صورت میں سامنے آیا، تو یہ خدشہ سر اُبھارنے لگا کہ عربی زبان پر غیر عربوں کے لہجے اور تلفظ کا اثر پڑے گا جس کے نتیجے میں نہ صرف عربی زبان بلکہ قرآن اور احادیث میں نخالصیت (impurity) در آئے گی[۵]۔ مزید ابتدائی رسمِ خط میں نقطے اور اعراب نہیں تھے۔ اس سے بھی غلط قرآت اور غلط معنی کا اشتباہ رہتا تھا۔ ایک اور وجہ یہ تھی کہ ان نومسلموں کی لسانی ضروریات کو پورا کیا جائے جو قرآن پڑھنا یا ملازمت میں جانا چاہتے تھے، یا جنھیں خالص عربوں سے کسی نہ کسی طرح سے واسطہ تھا۔ اِن ہی وجوہات نے قواعد نویس ابوالاسود الدولی[۶] کو نحو کی تدوین کی تحریک دی۔ ابوالاسود الدولی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے نحو کی تعلیم خلیفہ حضرت علیؓ ابن طالب سے حاصل کی تھی[۷]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الدولی کو بصرہ کے گورنر زیادؔ نے پیغام بھیج دیا کہ وہ ایک امام تیار کرے تاکہ لوگوں کو قرآن سمجھنے میں مدد ملے لیکن الدولی نے ایسا نہیں کیا اور بعد میں جب اُس نے ایک شخص سے قرآن کی غلط قرآت سُنی جس سے قرآن کی معنوی تحریف ہوتی تھی تو اس نے زیادؔ سے کہا کہ وہ نحو کی تدوین خود کرے گا۔ ابن ندیمؔ نے ''الفہرست'' میں دوسری حکایت بیان کی ہے کہ

ایک شخص گھوڑا ہانکتے ہوئے الدولیٰ کے پاس آیا۔ الدولیٰ نے اُس سے پوچھا کہ وہ گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہے تو جواب میں اُس شخص نے کہا "انّ فرسی ضیلم" (میرا گھوڑا لنگڑا ہے) جبکہ اُسے 'ض' کے بدلے 'ظ' کا تلفظ ادا کرنا تھا۔ بہرحال وجہ جو بھی رہی ہو مطلب یہ ہے کہ الدولیٰ کو غلط قرآت نے اصولِ زبان وضع کرنے کی تحریک دی۔ حضرت علیؓ نے کلام کے تین اجزا متعین کیے تھے یعنی اسم، فعل اور حرف اور الدولیٰ کو بھی ہدایت کی تھی کہ وہ اسی پر صرفی اور نحوی قواعد ترتیب دے[8]۔ الدّولیٰ نے اس کے علاوہ فاعل اور مفعول بہ، مضاف، نصب، رفع، جار اور جزم بھی قواعد میں داخل کیے[9]۔ چنانچہ نحو کی تدوین کے پس پردہ قرآن اور احادیث کے تحفظ کا خیال تھا اور بعد میں لغت نگاری بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کی گئی۔ پہلی صدی ہجری میں علم النحو اور علم اللغۃ میں آپسی تفریق نہیں تھی۔ لیکن بعد میں بصرہ اور کوفہ کے شہروں میں ان علوم پر زبردست کام ہوا یہاں تک کہ الخلیل نے لغت نگاری کی باقاعدہ شروعات کی اور اس کے شاگرد سیبویہ[10] نے نحو کی ابتدا کی۔ لغوی (لغت نگار) کا کام یہ تھا کہ عربی کے خالص ذخیرہ الفاظ کو جمع کر کے اس کے تلّفظ اور معنی کو لغت میں شامل کرے۔ جبکہ نحوی (قواعد نویس) کے ذمّے زبان کے اصول و قواعد کا تحلیلی تجزیہ کرنا تھا۔

عربی لُغت نگاری میں تین طریقے اختیار کیے گئے۔ پہلا الخیل کا مقلوبی طریقہ، جس میں مادے کے حروف کو الٹ پلٹ کر کے نئے الفاظ بنائے جاتے تھے۔ دوسرا قافیائی طریقہ جس میں لفظ کے آخری حرف کی نسبت سے الفاظ ترتیب دیے جاتے تھے اور تیسرا طریقہ الفابیائی طریقہ (Alphabetical)

تھا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ عربی لغت نگاری کے ان ہی طریقوں کی بنیاد پر اس کا تاریخی جائزہ لیا جائے۔ الخلیل بن احمد[۱۱] نہ صرف مقلوبی طریقے (Anagammetical) کا موجد تھا بلکہ عربی لغت نگاری میں اس سے پہلے کوئی اور نام نظر نہیں آتا ہے۔ الخلیل کی لغت ''کتاب العین'' میں ترتیب الفاظ ریاضی کے اصولوں پر رکھی گئی ہے اور صوتیاتی اصولوں پر حروف تہجی کی بنیاد رکھی گئی۔ الخلیل کے مطابق عربی ہجا میں ۲۹ حروف ہیں جن میں سے ۲۵ حروف صحیح (صحاح) ہیں اور ۴ حروف ہوائیہ۔ ہوائیہ حروف میں 'و، ی، ہ'' اور ہمزہ ہیں۔ چنانچہ اُس نے حروف تہجی کی ترتیب مخارج کے اعتبار سے رکھی۔ پہلے وہ حروف لیے جن کا مخرج تالو ہے۔ یہ ہیں (Gutturals) ع، ح، ہ، خ اور غ۔ اس کے بعد لہاتی (uvlvar) حروف لیے جن کا مخرج مثانہ ہے یہ ہیں ق اور ک۔ پھر شجر یہ حروف (شُجر) جو کہ منہ کا حصہ بند کرتے وقت ظاہر ہوتے ہیں، یہ ہیں ج، ش، اور ض۔ اس کے بعد مثنویہ حروف ہیں جو زبان کے کنارے (الذّلق) سے نکلتے ہیں۔ یہ ہیں ظ، اور ز۔ پھر شفویہ ہیں جن کا مخرج ہونٹ (شفۃ) ہیں۔ یہ ہیں ف، ب اور م[۱۲] اس ترتیب میں پہلا حرف 'ع' ہے۔ اسی نسبت سے الخلیل نے اپنی لغت کا نام ''کتاب العین'' رکھا۔

الفاظ کی تشکیل اور ترتیب کے اعتبار سے الخلیل کا طریقہ معروضی اور سائنسی ہے اس تشکیل میں تقلیب (Permutution) کا اصول کارفرما ہے۔ پہلے دو حرفی مادے لیے جن کی تقلیب سے ۲۷ نئے لفظ بنتے ہیں۔ مثلاً رب کی تقلیب سے "بر" بنتا ہے۔ پھر ان دو حرفی تمام شکلوں میں حروف تہجی کے اعتبار سے ایک حرف جوڑا گیا مثلاً رب میں ض جوڑا گیا تو یہ ضرب بنتا

ہے۔اس کی تقلیب کرنے سے ضبر، برضَ، بضرِ، رضب اور ربض چھے الفاظ بنتے ہیں اس کے بعد سہ حرفی مادّے میں چوتھا حرف جوڑا جائے اور اس کی تقلیب سے چوبیس الفاظ برآمد ہوتے ہیں۔ پھر اس چہار حرفی میں ایک اور حرف جوڑیں تو ایک سو بیس[۱۳] الفاظ بنتے ہیں۔ گویا کہ ایک ہی دو حرفی مادّے پر یہ اصول لاگو کرنے سے ایک سو باون الفاظ برآمد ہوں گے۔ اور اسی طرح جتنے بھی مادے جمع کیے جائیں الفاظ کی اتنی کثیر تعداد جمع ہو گی۔ ایس۔ ایم۔ یوسف نے اس اس طریقے کی اس طرح مزید وضاحت کی ہے۔

"By Multiplying the 28 letters of the alphatet by 27 (28 minus 1 to drop double letters) he got 756 forms of the bilitral (there being no unilliteral in Arabic) Dividing this number by 2, he had 378 combinations irrespective of the order of the two letters. Taking these biliteral forms as one unit and adding a third to them he worked out the number of trilitral forms and so on"[۱۴]

اس طرح الخلیل نے الفاظ کی ایک کثیر تعداد لی جن کو اپنی لغت میں مندرجہ بالا صوتیاتی حروف تہجی کی بنیاد پر الگ الگ ابواب میں درج کیا، ان ابواب میں پھر دو حرفی، سہ حرفی وغیرہ کی تخصیص نہیں رہی کیونکہ ابواب کی تقطیعاں حروف تہجی کے لحاظ سے تیار کیں) چنانچہ ۲۹ حروف کے تناسب سے

۲۹ ابواب ہونے چاہیے تھے لیکن اس میں صرف ۲۶ ابواب ہیں کیونکہ ۲۵ حروفِ صحیح کے لیے ۲۵ ابواب قائم کرنے کے بعد حروف ہوائیہ کو آخری یعنی ۲۶ ویں باب میں یکجا شامل کیا گیا[۱۵]۔ یہاں پر سوال پیدا ہوا ہے کہ الخلیل کے مقلوبی طریقے کے نتیجے میں جتنے الفاظ برآمد ہوئے کیا وہ سب عربی زبان میں مستعمل ہیں؟ چونکہ الخلیل نے ریاضی کے اصول پر ہر قسم کے الفاظ برآمد کیے لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کی کہ کون سا لفظ مستعمل ہے اور کون سا مہمل۔ مستعمل الفاظ کی توضیع کے لیے مذہبی ادب اور شاعری سے شواہد بھی درج کیے۔ بعد میں چوتھی صدی ہجری میں الزبیدی[۱۶] نے اس کی تلخیص کی جس میں مہمل الفاظ ہٹائے گئے اور بامعنی الفاظ کے بہت سے شواہد بھی حذف کیے۔ اس طرح الفاظ کو زبانی یاد کرنے کے لیے بہترین کام کیا[۱۷]۔

الخلیل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب العین کے تقریباً سو سال بعد تک لغت نگاری میں کوئی خاص کام نہیں ہوا البتہ یہ زمانہ مخصوص موضوعاتی فرہنگوں کا تھا جن میں خاص موضوعات مثلاً اونٹ، گھوڑا، بارش، اسلحہ وغیرہ پر رسالے لکھے گئے۔ اس دوران یعنی پہلی اور دوسری صدی ہجری میں چار لغت نما رسالے لکھے گئے۔ ان میں مختلف موضوعات کے الفاظ اور ان کے مترادفات، متجانسات اور معانی درج کیے گئے۔ ان فرہنگوں میں سب سے پہلا نام الاصمعی[۱۸] کا ہے۔ جس کے موضوعات ہیں اونٹ، انسان، ہتھیار، نوادرہ، مکانات اور احادیث نبویؐ کے غیر مانوس الفاظ وغیرہ۔ الاصمعی کی فرہنگ ''کتاب خلق الانسان'' انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے امور کا احاطہ کرتی ہے۔ ''کتاب الابل'' اونٹ اور اس کی عادات پر

مبنی ہے۔ دوسرا اہم موضوعاتی فرہنگ نویس ابوعبیدہ[19] ہے۔ ابوعبیدہ اور الاصمعی کے درمیان زبردست معاصرانہ چشمک بیان کی جاتی ہے اور ان کو ایک دوسرے کا حریف مانا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ کے موضوعات میں قرآن اور احادیث کی لفظیات سرفہرست ہیں۔ دوسرے موضوعات میں اونٹ، گھوڑا، عقاب، شہد کی مکھی، سانپ، عربوں کے تلفظ کی خامیاں اور فارسی بولنے والے لوگوں کی فضیلت شامل ہیں۔ ''کتاب الخیل'' میں گھوڑے کے بارے میں معلومات دینے کے بعد علقمہ، امراء القیس اور ظہیر جیسے مقتدر شعراء کی اسناد دی گئی ہیں[20]۔ موضوعاتی لغت نگاروں میں ابوزیاد[21] اور ابن الاعرابی[22] بھی شامل ہیں۔ جن کے موضوعات بھی الاصمعی اور ابوعبیدہ کی طرح کے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے اوائل تک کو موضوعاتی لغت نگاری کا زمانہ کہا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ مشہور لغت نگار اور شاعر ابن درید[23] نے بھی لغت نگاری کی ابتدا موضوعاتی فرہنگ "کتاب لاشتِقاق" میں عرب قبائل کے ناموں کو موضوع بنایا۔ لیکن ابن درید کی دائمی شہرت کا باعث اس کی لغت "کتاب الجمھراۃِ فی اللغۃ" بنی۔ ہرچند کہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کی لغت میں لفظ الخلیل کی لغت سے بھی زیادہ سہل الحصول ہے لیکن ایس۔ ایم۔ یوسف[24] کے مطابق ابن درید کی لغت الخلیل سے زیادہ بہترین نہیں البتہ اس میں حروف تہجی کا صوتیاتی طریقہ ترک کیا گیا لیکن الخلیل کے برعکس الفاظ کی ترتیب خلط ملط ہے۔ ابنِ درید نے الخلیل کے مقلوبی طریقے کو تھوڑی ترمیم کے ساتھ اختیار کیا۔ "الجمھراۃ" میں تین طریقے اختیار کیے گئے ہیں[25]
(الف) الخلیل کا مقلوبی طریقہ (ب) الخلیل کے صوتیاتی حروف تہجی کے

بدلے عام حروف تہجی اور (ج) الخلیل کے حروف کی بنیاد پر الفاظ کے دو حرفی، سہ حرفی وغیرہ کی تخصیص کے بغیر ابواب قائم کیے اور ان کی تصریفی شکلیں اپنے ابواب میں درج کیں۔ مثلاً ضرَبَ ''ض'' کے باب میں اور اس کی مقلوبی شکل رَضَب ''ر'' سہ حرفی ہے یہ بشمول اس کی تمام مقلوبی شکلوں کے سہ حرفی باب میں درج کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ کا حصول پیچیدہ اور دشوار بن گیا۔

ابن درید ہی کی طرح اور بھی کئی لوگوں نے الخلیل پر اعتراضات اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود وہ اس کی مقبولیت کو کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان ہی معترضین میں الازہری[۲۶] بھی پیش پیش ہے۔ الازہری کی لغت "التهذيب فى اللغه" حالانکہ "العين" کی توسیع ہے کیونکہ اس میں مزید شواہد واسناد کا اضافہ کیا گیا لیکن اسی کو آڑے ہاتھوں لیا گیا۔ الازہری کی لغت کا سب سے اہم حصہ تعارف ہے۔ جس میں ماقبل کے کاموں کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ''العین'' پر الازہری کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس کو الخلیل کے شاگرد لیث نے مسخ کیا ہے۔ کیونکہ اس کو الخلیل کی وفات پر مبینہ طور پر لیث ہی نے مکمل کیا تھا۔ ابن درید اور دیگر لغت نگار بھی الازہری کی تنقید کا نشانہ بن گئے[۲۷]۔ اگلے کاموں پر اعتراضات کو ایس۔ ایم یوسف نے تنقید کی ابتدا سے تعبیر کیا ہے[۲۸]۔ کیونکہ اسی دور یعنی چوتھی صدی ہجری میں ماقبل علماء کے برعکس، جو ہر قسم کے الفاظ کا اندراج کرتے تھے، صرف فائدہ مند الفاظ کا اندراج کیا جانے لگا اور نزاعی الفاظ ترک کیے جانے لگے۔ ہر چند کہ ابن درید، الازہری اور الصاحب[۲۹] نے الخلیل کا طریقہ اختیار کیا لیکن الفاظ کی چھان پھٹک ان کا خاصہ رہا۔ الصاحب کی لغت "المحيط فى

اللغہ" کے بارے میں بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے [۳۰] جب کہ بعض کے نزدیک اس کی دس جلدیں ہیں [۳۱]۔ اس میں بھی الخلیل کا طریقہ بروئے کار لایا گیا ہے البتہ اسناد کم کی گئی ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لفظ شامل کئے جاسکیں۔ مقلوبی طریقہ اختیار کئے جانے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اندلس میں اُس زمانے تک یہی طریقہ رائج تھا جبکہ کوفہ میں دوسرے طریقے (جن کی تفصیل آگے آئے گی) بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ اندلس (ہسپانیہ) میں نہ صرف اس طریقے کی بلکہ گُلّہم لغت نگاری کی ابتدا القالی [۳۱] نے کی تھی۔ ہسپانیہ تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل میں اموی خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی سرپرستی اور قدردانی کی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز تھا۔ عبدالرحمٰن کے فرزند الحکم کی معاونت سے القالی نے اپنی لغت ''کتاب البارلیع'' ترتیب دی۔ ہسپانیہ میں مقلوبی طرز کی آخری بڑی لغت ابن سیدہ [۳۳] کی لغت "المحکم والمحیط الاعظم" ہے۔ اِس میں اگرچہ الخلیل کے طریقے میں ردوبدل نہیں کی گی البتہ اس کے برعکس ہمزہ کو ہوائیہ حروف سے خارج کیا گیا۔ ابن سیدہ کی لغت مقلوبی طریقے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ (تفصیل آئندہ آگے گی)۔ گویا کہ پانچویں صدی کے اوائل تک کے زمانے کو خلیل کے طرز کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ اس زمانے میں لغت نگاری کو بصرہ اور کوفہ میں الازہری اور الصاحب نے بام عروج تک پہنچا دیا اور ہسپانیہ میں القالی اور ابن سیدہ نے اس کی ترویج میں اہم حصہ ادا کیا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''کتاب العین'' نے دو کارنامے انجام دیے۔ پہلا یہ کہ اس نے تدوین لغت کی طرف عربوں کی توجہ مبذول کی اور دوسرا یہ کہ زبان کی بہتر تفہیم کی طرف پہلا قدم

اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ مابعد کے لغت نگار اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

الخلیلؔ کے بعد جس لغت نگار نے اس میدان میں تہلکہ مچادیا وہ ہے الجوہری [۳۴]۔ اس نے مقلوبی طریقے کے برعکس قافیائی (Rhyme) طریقے کی شروعات کی۔ اس طریقے میں لفظ کا لغت میں اندراج اس کے آخری حرف کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ الجوہریؔ کی لغت ''تاج اللغہ وصحاح العربیہ'' [۳۵] (اس کو مختصراً صَحاح یا صِحاح کہتے ہیں) نے اس طریقے کو عربی لغت نگاری میں داخل کیا۔ اس میں لفظ کے حصول کے لیے دو حوالے ہیں۔ لفظ کا آخری حرف پہلا حوالہ اور پہلا حرف دوسرا حوالہ۔ یہ طریقہ بھی اصل میں الفابیائی ہے لیکن اس میں حروفِ تہجی کو معکوسی طریقے پر لیا جاتا ہے۔ مثلاً ضرب کو عام الفابیائی لغت میں ''ض'' کی تقطیع میں دیکھا جاتا ہے، لیکن قافیائی طریقے میں اس کو 'ب' کی تقطیع میں دیکھا جاتا ہے لیکن اس میں بھی لفظ کو بالکل اُلٹ پلٹ کر حاصل نہیں کیا جاتا ہے۔ Haywood نے اس طریقے کو ریاضی کی بنیاد پر سمجھایا ہے کہ سہ حرفی لفظ کو ۳-۲-۱ کے بجائے ۳-۱-۲ کی ترتیب سے اور چہار حرفی لفظ کو ۴-۳-۲-۱ کے بجائے ۴-۱-۲-۳ کے اعتبار سے شاملِ لغت کیا جاتا ہے [۳۶]۔ اس طریقے کا مقصد شعرا کے لیے بنے بنائے قافیے فراہم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ عربی زبان اُن دنوں شعر میں قافیے کی پابندی کے علاوہ نثر میں بھی ''سجع'' [۳۷] کا رواج تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عربی کی مختلف قواعدی حالتوں میں پہلا حرف بدلتا ہے نہ کہ آخری۔ مثلاً کبرَ (بڑائی) سے تکبُّرَ اور اِستکبار تینوں حالتوں میں آخری حرف 'ر' موجود رہتا ہے۔ اس طرح ایک ہی تقطیع میں لفظ کی ہر تصریفی شکل درج کی جاسکتی ہے [۳۸]۔

الجوہرؔی [۳۹] نے خود اپنی لغت کی ترتیبی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ خود ہی اس طریقے کا موجد ہے [۴۰]۔ اس میں ۲۸ ابواب (حروف تہجی کے اعتبار سے) ہیں۔ اور ہر باب کے ۲۸ ذیلی ابواب۔ الجوہرؔی نے اپنی لغت کے لئے الفاظ جمع کرنے کے لیے مختلف عرب قبائل میں صحرانوردی کی اور اس طرح اس نے شواہد بھی فراہم کئے۔ مزید اس نے شعراء کے کلام سے بھی اسناد شامل کیں جن میں سے اکثر ''کتاب العین'' سے لی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں بیشتر جگہوں پر قواعدی وضاحت اور مآخذ لسانی کی نشاندہی بھی ملتی ہے۔ "صحاح" کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف اس کی قافیائی ترتیب طویل عرصے تک رائج رہی بلکہ بہت سے لوگوں نے اس کی تلخیص بھی کی جن میں الرضوؔی کی "مُختار الصحاح" قابل ذکر ہے [۴۱]۔

الخلیؔل ہی کی طرح الجوہرؔی بھی عرصے تک عربی لغت نگاری پر چھایا رہا، یہاں تک کہ اس کی وفات کے بعد تقریباً تین صدیوں تک ماقبل کی لغات کی تلخیصات اور مختصرات کے بغیر کوئی بھی قابل ذکر کام سامنے نہیں آیا۔ البتہ تین سو سال بعد ابن منظور [۴۲] کی لغت "لسانُ العرب" نے اس جمود کو توڑ دیا۔ 'لسان' کی سب سے بڑی خوبی اس کی ضخامت ہے۔ یہ دو کالمی پانچ سو صفحات کی پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے بلخ ایڈیشن کی ضخامت پانچ سو صفحات کی بیس جلدیں ہیں اور ان میں اسّی ہزار اندراجات ہیں [۴۳]۔ ابن منظور ابن مکرم نے الجوہری کا قافیائی طریقہ اختیار کیا۔ کیونکہ اُس کی نظر میں یہ لفظ کے حصول کے لیے آسان ترین طریقہ ہے، البتہ حروف تہجی کی ترتیب الخلیل کے صوتیاتی طریقے پر رکھی گئی۔ ایس۔ ایم۔ یوسف [۴۴] کا یہ کہنا صحیح ہے

کہ ''لسان'' کی بنیادیں ابن درید، الازہری اور الجوہری کے کاموں پر استوار کی گئی ہیں کیونکہ اس پر جہاں الجوہری کی قافیائی ترتیب کا اثر ہے وہیں الازہری کا یہ اثر بھی نمایاں ہے کہ لغت کے آخر پر قرآن کے حروف مقطعات Cryptic Letters مثلاً (ا۔ل۔م) کی توضیع کی گئی ہے اور صوتی ترتیب ہجا کے سلسلے میں ابن درید کا ترمیم شدہ طریقہ اس میں نظر آتا ہے۔ اس لغت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حروف کی مخفی ساحرانہ (Qecult) طاقت کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ کون سا حرف کس قسم کے جسمانی مرض کو رفع کرتا ہے۔ اس سے پہلے اس قسم کی وضاحت کسی بھی لغت میں نہیں ملتی ہے۔ الفاظ کے معنی کے لحاظ سے یہ ایک مبسوط لغت ہے۔ ہر لفظ کے لیے دو یا دو سے زیادہ معنی درج کیے گئے ہیں اور قرآن، احادیث، شاعری اور ضرب الامثال سے اسناد لی گئی ہیں۔ ''لسان العرب'' کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ Haywood [۴۵] نے اس کو (OED) Oxford English Dictionary کے برابر قرار دیا ہے۔ اس میں صرف الفاظ و محاورات ہی نہیں بلکہ اسماء و اعلام بھی اندراج کیے گئے ہیں اور اس وجہ سے اس میں قاموسیت پیدا ہوگئی ہے۔

قافیائی طرز کی ایک اور اہم قاموسی عناصر والی لغت الفیروز آبادی [۴۶] کی ''القاموس'' ہے۔ البتہ ان میں یہ فرق ہے کہ ''لسان'' ضخیم ہے جب کہ ''القاموس'' چھوٹے سائز کی دو جلدوں پر مشتمل ہے [۴۷]۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ''لسان'' کتب خانوں کے لیے ہے اور ''القاموس'' مدرسوں کے لئے۔ الفیروز آبادی کا منصوبہ بھی بڑی ضخامت کی (تقریباً ساٹھ جلدوں

والی) لغت کا تھا جو تکمیل کو نہیں پہنچ سکا البتہ اس کی مختصر لغت مرتب کی جس میں شواہد و اسناد نہیں ہیں۔ اس کے باوجود ان دو جلدوں میں ساٹھ ہزار اندراجات ہیں جن میں آسان الفاظ (عمومی استعمال کے) کو بغیر تشریح درج کیا گیا ہے۔ القاموس میں قواعدی وضاحت کے لئے مخففات کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً جمع کے لیے ''ج'' اور جمع الجمع کے لیے 'جج'۔ چنانچہ 'القاموس' میں بھی الجوہریؔ کا طریقہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ''صحاح'' کی غلطیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس میں شامل نہ ہونے والے الفاظ کو سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً مرحمَ اکو الجوہریؔ نے رحم کی تقطیع میں درج کیا ہے [۴۷]۔ ''القاموس کی بڑے پیمانے پر تشریح و توسیع مرتضیٰ الزبیدی نے 'تاج العروس' کے نام سے کی جس میں ایک لاکھ بیس ہزار اندراجات ہیں جبکہ ''القاموس'' میں صرف ساٹھ ہزار اندراجات ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ عربی لغت نگاری میں تینوں طریقے یعنی مقلوبی، قافیائی اور الفابیائی بروئے کار لائے گئے۔ جہاں الخلیلؔ کے مقلوبی طریقے نے لغت نگاری کی ابتدا کر لی وہیں الجوہریؔ کے قافیائی طریقے نے تقریباً تین سو سال تک لغت نگاری کو اپنی گرفت میں رکھا۔ الفابیائی طریقہ بھی الخلیلؔ ہی کے زمانے سے شروع ہوا حالانکہ الخلیلؔ کے سائنسی اور معروضی طریقہ کار نے اس کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا پھر بھی یہ کافی ہے کہ جدید تکنیک کے ابتدائی نقوش ہمیں اوائل ہجری ہی میں ملتے ہیں۔ عربی میں الفابیائی (Alphabatical) طریقے کا موجد الشیبانیؔ ہے [۴۸] جو کہ الخلیل کا ہم عصر تھا۔ اس کی لغت "کتاب الجیم" [۴۹] کو دبستانِ کوفہ کی پیداوار کہا جا سکتا ہے

جب کہ الخلیل دبستان بصرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ Kernkow [۵۰] کی نظر میں اگرچہ ''الجیم'' میں حروف تہجی کے پہلے چار حروف پر مبنی موضوعات خلط ملط انداز میں درج کیے گئے ہیں اور اسکولغت کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا پھر بھی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عرب قبائل کے لسانی مظاہرات کا مجموعہ ہے۔ اِس میں تیس مختلف قبائل کے آداب زندگی کی وضاحت کی گئی ہے۔ مزید برآں اس میں اسّی (۸۰) قدیم شعراء کے دواوین کے مشکل الفاظ بھی جمع کئے گئے ہیں۔ لیکن Haywood [۵۱] اس کو اس لئے لغت تسلیم کرتا ہے کہ اس میں الف سے ی تک تمام ۲۸ حروف ۲۶۷ صفحات پر، تقریباً ۴۰۰ الفاظ فی صفحہ درج کیے گئے ہیں اور یہ الفاظ حروف تہجی کی ترتیب سے درج کیے گئے ہیں۔ یعنی الف کی تقطیع میں الف سے شروع ہونے والے لفظ شامل تو کئے گئے ہیں لیکن دوسرے حرف کی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اس طرح ان کی تقطیع میں پہلا حروف ''ا'' ہی ہوگا لیکن پہلے ا+ ث آئے گا اس کے بعد ا+ ج پھر ا+ ب والا لفظ۔ چنانچہ الشیبانی، الخلیل کا ہم عصر تھا اور دونوں اپنے اپنے طریقے کے موجد بھی لیکن اولیت الخلیل ہی کو دی جا سکتی ہے کیونکہ وہی پہلے وفات پا گیا اور اس کی لغت میں مربوط طریقہ استعمال کیا گیا جو کہ ایک بار سمجھ میں آنے پر سہل الحصول ہے لیکن ''الجیم'' کا طریقہ خلط ملط اور غیر منطقی ہونے کے باوجود اس طریقے کا نقش اول قرار دیا جا سکتا ہے۔ ''کتاب الجیم'' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے القفطی [۵۲] نے اس کو کوفی طریقے کی پیداوار کہا ہے کہ کوفیوں نے بصریوں کی طرز پر ''کتاب العین'' کے برعکس ''کتاب الجیم'' نام رکھا۔ یا یہ پہلی جلد کے آخری حرف (ا۔ب۔ت۔ث۔ج) کی نسبت

سے رکھا گیا ہے۔

الشیبانی کے بعد ہمیں الفابیائی لغت نگاری کے ارتقاء میں چند متفرقہ لغات ملتی ہیں جو یا تو الشیبانی کے طریقے کو آگے لے جاتی ہیں یا اس میں ترمیم کرتی ہیں۔ ان لغت نگاروں میں ابوبکر السجستانی کی[۵۳] "کتاب الغرائب القرآن"، ابن ولید کی[۵۴] "کتاب المقصور والمدود"، الجوالیقی کی[۵۵] "کتاب المعرّب" اور ابومحمود[۵۶] کی "کتاب الاعداد" قابل ذکر ہیں۔ "غرائب القرآن" قرآن کے مشکل الفاظ پر مبنی لغت ہے۔ اس میں الفاظ کو قرآن کے متن کی ترتیب سے درج کیا گیا ہے البتہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر حرف کے ضمّہ، کسرہ اور فتحہ کے اعتبار سے ذیلی تقطیعات قائم کی گئی ہیں۔ یعنی ہمزہ، مضموم، ہمزہ مکسور، ہمزہ مفتوح علی ھذا القیاس[۵۷]۔ یہی طریقہ "کتاب المقصور والممدود" میں بھی روا رکھا گیا ہے البتہ اس میں اعراب کی ترتیب میں معنی کا خیال رکھا گیا ہے۔ ان دونوں سے زیادہ مبسوط الجوالیقی کی "کتاب المعرّب" ہے جس میں عربی میں دوسری زبانوں کے دخیل الفاظ کا جائزہ لیا گیا ہے جو آج بھی ماہرین لسانیات کی توجہ کا مرکز ہے۔ ابومحمود کو اپنے وقت کا الشیبانی کہا جاتا ہے[۵۸]۔ اس کی لغت صرف سولہ صفحات پر مشتمل ہے جس میں الفاظ کے معنی متضادات سے واضع کیے گیے ہیں اور اس میں کسی بھی قسم کی سند نہیں دی گئی ہے[۵۹]۔

الفابیائی لغت نگاری میں ابن فارس[۶۰] کا نام اسی طرح اہمیت رکھتا ہے جس طرح مقلوبی لغت نگاری میں الخلیل کا۔ اگر چہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُس کی لغات "المُجمِلُ فی اللُغة" اور "اَلمِقیاسُ" میوزیم میں رکھنے کے قابل

ہیں پھر بھی یہ عصر حاضر کی تکنیک کی طرف صحیح سمت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ہر چند کہ "المجھل" کی صرف ایک جلد شائع ہو چکی ہے اس کے باوجود یہ زیادہ شہرت رکھتی ہے۔ "المقیاس" دو جلدوں میں ہے اور زیادہ مبسوط ہے۔ دونوں لغات میں ایک ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے یعنی حروف تہجی کے اعتبار سے ۲۸/ابواب قائم کیے گئے ہیں اور حوالہ کے لیے پہلا حرف۔ ہر باب میں پہلے دو حرفی، پھر سہ حرفی، پھر چہار حرفی اور پھر پنج حرفی الفاظ ہیں۔ پہلے اور دوسرے باب میں لفظ کے دوسرے اور تیسرے حرف کا خیال رکھ کر ترتیب دی گئی ہے البتہ حروف کی ترتیب 'ا' سے 'ی' کی طرف نہیں بلکہ clockwise ہے۔ مثلاً 'ر' کی تقطیع ا + ہمزہ سے نہیں بلکہ ر + ز سے شروع ہوتی ہے کیونکہ ز، ر کے فوراً بعد آتا ہے۔ پھر ر + س اس کے بعد ر + ش یہاں تک کہ ر + ی پھر اس کے بعد 'ر + ب' علی ھذا القیاس [۶۱]۔ ان لغات میں توضیحات مختصر، شواہد و اسناد منطقی تناسب کے ساتھ، اندراجات مختصر اور مادہ کے تحت مختصر قواعدی مشتقات کا تذکرہ ہے۔ اسی اختصار کی وجہ سے ان لغات کو "صحاح" اور القاموس" سے بھی کم پلہ سمجھا جاتا ہے [۶۲]۔ ابن فارس کی ترتیب کے بارے میں اے۔ درویش [۶۳] کا خیال ہے کہ یہ طریقہ ابن فارس نے مشہور محدث حضرت امام بخاریؒ سے لیا ہے۔

ابن فارس کے بعد چند اور الفابیائی لغات نظر آتی ہیں لیکن وہ مخصوص موضوعات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ ان لغات نے ابن فارس کے طریقے کو مزید آگے بڑھنے میں مدد دی۔ ان میں محمد بن احمد الہرادی [۶۴] کی لغت "کتاب الغرائب القرآن" ہے جس میں قرآن اور احادیث کے معنی

دیے گئے ہیں۔ اس میں لفظ کو پہلے تین حروف کے اعتبار سے درج کیا گیا ہے[۶۵]۔ اسی طرح ابوالقاسم[۶۶] کی کتاب ''مفردات القرآن'' بھی قابل توجہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو حضرت امام غزالیؒ ہمہ وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اسی قسم کی ایک اور لغت ''الفائق فی غرائب الحدیث'' الزمخشری[۶۷] نے لکھی جس میں حدیث نبویؐ کے مشکل الفاظ درج کیے ہیں۔ لیکن الزمخشری ہی کی دوسری لغت ''اساس البلاغہ'' الفابیائی طرز اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے خاصی اہم ہے۔ اس کے طریقہ ترتیب کو HayWood نے کوفی طریقہ اور نئی تکنیک کے درمیان کی کڑی قرار دیا ہے[۶۸]۔ اے درویش اور ایس۔ ایم یوسف کے خیال میں اس کی ترتیب نئی تکنیک کے عین مطابق ہے[۶۹]۔ لیکن Haywood نے جو تفصیل دی ہے اس سے لگتا ہے کہ اس کی ترتیب خاصی پیچیدہ ہونے کے باوجود نئی تکنیک کے نزدیک ہے۔ Haywood کے مطابق یہ لغت ۲۸/ابواب پر مشتمل ہے جن کے ذیلی ابواب ہیں۔ مثلاً ''ر'' کے باب میں ذیلی ابواب 'ر + ہمزہ، ر + ب، ر + ت' وغیرہ ہیں لیکن تیسرے حرف سے الجھن شروع ہوتی ہے۔ مثلاً 'ر + ب' کے ذیلی باب میں 'ر + ب + ع، ر + ب + ہمزہ، ر + ب + د، ر + ب + ع، ر + ب + ض، ر + ب + ب، ر + ب ع'[۷۰]۔ یہاں تیسرے حرف کے طور پر ہر دو لفظ کے بعد 'ع' آتا ہے لیکن ان دو الفاظ میں تیسرا لفظ کس ترتیب سے درج ہوا یہ سمجھ سے باہر ہے۔ البتہ 'اساس البلاغہ'' کی سب سے بڑی خوبی الفاظ کا سیاقی استعمال ہے۔ ابن خلدون[۷۱] میں ''اساس'' کے حوالے سے بہترین مثال پیش کی گئی

ہے کہ شروع میں ''ابیض'' ہر سفید چیز کے لیے بولا جاتا تھا لیکن بعد میں سفید گھوڑے کو ''اشہب'' ''سفید آدمی کے لیے ''ازہر'' اور سفید بکری کے لئے ''املح'' بولا جانے لگا۔ اس لیے اگر ''ابیض'' کو گھوڑے، آدمی یا بکری کے حوالے سے بولا جائے تو یہ عربی زبان کے اسلوب سے باہر ہوگا۔ ان باتوں کی وضاحت الزمخشریؔ کی لغت میں ملتی ہے۔ اس لغت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لفظ کے حقیقی اور مجازی معنی موجود ہیں۔ اس کا ہر اندراج (Entry) دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں حقیقی اور دوسرے میں مجازی یا استعاراتی معنی دیے گئے ہیں۔ اس طرح ''اساس البلاغہ'' اپنے زمانے کے قریب آ گئی کیونکہ اس زمانے میں شعر کے علاوہ نثر میں بھی استعارے کا استعمال ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس لغت میں چہار حرفی، اور پنج حرفی الفاظ کو داخل نہیں کیا گیا ہے[۲۷] جو کہ اس کی سب سے بڑی خامی ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ عربی شاعری، خصوصاً جاہلی اور اموی دور کی شاعری میں جابجا ملتے ہیں اور ''اساس'' ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ جس طریقے کو الشیبانیؔ نے ایجاد کیا تھا اور جس کو ابن فارسؔ نے ترقی دی وہ طریقہ آگے چل کر الزمخشریؔ کے ہاتھوں نئی تکنیک کے نزدیک آ گیا بعد میں وہی طریقہ یورپی اثرات کی وجہ سے جدید تکنیک کے عین مطابق بن گیا۔ یہاں تک کہ جدید عربی لغات المنجد وغیرہ میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس طرح الخلیلؔ اور الجوہریؔ کے طریقے اپنی زمانی افادیت کے باوصف آثار قدیمہ کی چیزیں بن گئے۔

## حواشی:

۱: زمانہ جاہلیت میں عکاظ کے بازار میں شعرا کا سالانہ اجتماع ہوتا تھا اور بہترین قرار دئے جانے والے قصیدہ کو خانہ کعبہ کی دیوار پر سال بھر کے لئے لٹکایا جاتا تھا، جس کو سب لوگ زبانی یاد کرتے تھے۔ ان ہی قصائد کو معلقات (لٹکے ہوئے) کہا جاتا ہے۔ معلقات کی تعداد سات (۷) ہے۔ (بعض کے نزدیک ۹)۔ اسی لئے انہیں سبع معلقات (سات معلقے) کہتے ہیں۔ یہ شعرا ہیں امراء القیس، النابغہ الذبیانی، ظہیر ابن ابی سلمہ، عُمر بن کلثوم۔ الخنسیٰ۔ عنترہ بن شداد۔ طرفہ بن البعل اور بعض کے نزدیک حارث بن حذّہ اور ابن ربیعہ بھی ہیں۔

۲: بحوالہ ''المنجد'' (عربی۔ اردو) مقدمہ ص ۲۲۔

۳: ایضاً۔ شاعر کا نام اور دیگر کوائف نہیں دئے گئے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ ہے کہ لغات (زبان) کو یاد کرنا نماز کی طرح فرض ہے۔ پس دین کو حفظ لغات کے بغیر محفوظ نہیں رکھا جاسکتا۔ الفاظ جمع کرنے اور معنی سمجھنے کے لیے ابن درید، الجوہری اور دیگر لغت نگاروں نے (جن کی تفصیل آگے آئے گی) زندگی کا بیشتر حصہ صحرائی قبائل میں گزارا۔ خاص طور پر اُن قبائل کے درمیان جو شام اور عراق کے درمیان رہتے تھے۔ ان کے بارے میں خیال تھا کہ ان کی زبان غیر عربوں کے اثرات سے محفوظ ہے۔

۴: مشہور لغت نگار ابو عبیدہ نے دوسرے لغت نگار الاصمعی (دونوں کی تفصیل آگے آئے گی) کی اسی احتیاط پسندی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ اس کو (اصمعی کو) یہ بھی شک رہتا ہے کہ خبزٌ کے معنی روٹی ہی ہیں یا نہیں۔

۵: خطیب محمود۔ تاریخ الادب ۱۲۲، (۱۹۳۹ء) بحوالہ رضوان علوی۔ علوم وفنون عہد عباسی میں ۳۶۵۔

۶: ابوالاسود الدولی کی پیدائش، شجرہ نسب اور دیگر کوائف کے سلسلے میں محققین میں زبردست اختلاف ہے۔ البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ سب سے پہلا نحوی

(قواعد نویس) تھا۔ اس کی وفات ۶۹ھ مطابق ۶۸۸ء میں ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں ایک اور عالم لسان ابو اعمر بن العطاء بھی گذرا ہے۔ اُس کی پیدائش ۷۰ھ مطابق ۶۸۹ء میں بصرہ میں ہوئی۔ ایس۔ ایم یوسف کے مطابق زبان اور اس کے استعمال پر اس کا لکھا ہوا انبار جب اُس کے کمرے کی چھت تک پہنچ گیا تو اس نے راہبانہ زندگی گزارنے کا عہد کیا اور اپنے لکھے ہوئے ڈھیر کو سپرد آتش کیا۔

۷: محمد رضوان علوی۔ علوم وفنون عہد عباسی میں ۲۶۶ نیز Arabic Lexicograph y - Haywood، ۱۱۔

۸: محمد ابن ندیم۔ الفہرست۔ قاہرہ ۱۳۴۸ھ، بحوالہ Haywood ۱۲۔ الدولی کی دو کتابوں یعنی ''کتاب الجامع'' اور ''کتاب المکمل'' کو مہر و ماہ کہا جاتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک الخلیل (عربی لغت نگاری کا موجد تفصیل آگے آئے گی) الدولی کو استاد مانتا تھا حالانکہ اُس نے الدولی سے باقاعدہ درس نہیں لیا تھا۔

۹: ابوبکر بن الحسن الزبیدی۔ طبقات النحویان واللغویان۔ قاہرہ بحوالہ Haywood، ۱۲۔

۱۰: سیبویہ نے آٹھویں صدی عیسوی میں ''کتاب النحو'' لکھ کر قواعد نویسی کی ابتدا کی۔

۱۱: الخلیل کا پورا نام عبدالرحمن الخلیل ابن احمد ابن عمر ابن تمیم فرہیدی الازدی الیمحدی تھا۔ وہ ۱۰۰ھ مطابق ۱۹۔۷۱۸ء میں عمان میں پیدا ہوا۔ دبستان بصرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ لغت نگاری، قواعد، شریعت، ریاضی، موسیقی اور شاعری پر عبور تھا۔ لغت نگاری ہی کی طرح اُسے علم عروض کا موجد مانا جاتا ہے۔ اس نے پندرہ بحور ایجاد کیں جن پر بعد میں اخفش نے دو کا اضافہ کیا۔ الخلیل کے شاگردوں میں سیبویہ کے علاوہ ایک اور مشہور قواعد نویس مورج السدوسی شامل ہے۔ (Haywood نیز علوی) الخلیل کی وفات ۱۷۵ھ مطابق ۷۸۶ء میں ہوئی۔

۱۲: علامہ عبدالرحمن بن خلدون۔ مقدمہ ابن خلدون (دوم) مترجمہ مولانا راغب رحمانی ۴۷۵-۷۶۔ نیز Haywood، ۳۷۔ یہ ترتیب ہجا الخلیل کی جدّت

پسندی اوران کے ماہر ریاضی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔اس زمانے میں عام الفابیائی طریقہ (نبطی رسم خط) بھی رائج تھا اور ابجدی طریقہ بھی۔ ابجدی طریقہ آج بھی اسلامی ممالک کی زبانوں میں مادّہ تاریخ نکالنے کے لیے مروج ہے۔لیکن الخلیل کے سائنسی مزاج نے نیا طریقہ ایجاد کیا جو کہ عصر جدید کی لسانیات کی شاخ صوتیات Phonetics کے بہت نزدیک ہے۔

۱۳: Haywood متذکرہ ۳۶۔

۱۴: Arabic Literature, Grammer & Lexicography- S.M. Yousuf مشمولہ A History of Muslim Philosophy.

۱۵: Haywood متذکرہ۔ ۳۷

۱۶: الزبیدیؔ کا پورا نام محمد ابن الحسن الزبیدیؔ ہے۔ (ابن خلکان English translation - Biographical Dictionary by De Slane Uvalspairs 1843 بحوالہ Haywood جبکہ ابن خلدون (مقدمہ ابن خلدون دوم) نے صرف ابوبکر زبیدیؔ لکھا ہے۔ ۳۱۶ھ میں ہسپانیہ کے ایک ساحلی علاقہ سویل (seville) میں پیدا ہوا۔ بعد میں قرطبہ گیا جہاں اُسے خلیفہ عبدالرحمٰن کے پوتے ہشام (مؤید باللہ) کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد قرطبہ کا قاضی اور آخر پر پولیس کا سربراہ بنایا گیا۔ ۳۷۹ھ مطابق ۹۸۹ء میں تقریباً ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ الزبیدیؔ کی کتاب ''طبقات النحویان واللغویان، زبردست اہمیت رکھتی ہے۔

۱۷: مقدمہ ابن خلدون (حصہ دوم) مترجمہ راغب رحمانیؔ ۶۷۴۔

۱۸: الاصمعیؔ کا پورا نام ابوسعید عبدالملک بن قریب تھا۔ پیدائش ۱۲۳ھ مطابق ۷۳۹ء میں ہوئی اور ۲۱۷ھ مطابق ۸۳۲ء میں وفات پائی۔

۱۹: پورا نام ابوعبیدہ معمر بن المثنہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابوعبیدہ کے اجداد فارس کے رہنے والے یہودی تھے۔ ۱۱۰ھ مطابق ۷۲۸ء میں بصرہ میں پیدائش ہوئی۔ ابوعبیدہ کی شہرت کی بناپر اُسے خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد طلب کیا۔ چنانچہ ابوعبیدہ فارسی

الاصل تھا۔ اس لیے اپنی کتاب ''مثالب'' میں عربی قبائل کی خرابیوں کو پیش کیا۔ نتیجتاً عربوں کی نفرت کا شکار ہوا (S.M.Yousuf)۔ Hawood کے مطابق ابوعبیدہ کی پیدائش ۱۱۴ھ میں اور وفات بغداد میں ۲۱۱ھ ہوئی۔ (بحوالہ الفہرست نیز الزبیدی)۔

۲۰: Haywood۔ متذکرہ ۴۳۔۴۴۔

۲۱: ابوزیاد اسعد بن العاص الانصاری بصرہ کا رہنے والا تھا۔ تقریباً نوے سال کی عمر میں ۲۱۵ھ مطابق ۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ (یوسف متذکرہ)

۲۲: ابن العربی (ابوعبداللہ محمد بن زیاد) ایک سندھی غلام کا بیٹا اور مشہور کوفی عالم مُفضّل کا پروردہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابن العربی کی یادداشت حیرت انگیز تھی۔ ۲۳۱ھ مطابق ۸۴۵ء میں وفات پائی۔ (یوسف متذکرہ)

۲۳: ابوبکر محمد بن الحسن ابن درید ہ ابن عتاہیہ ابن ہاشم ابن حسن ابن حمامی۔ پیدائش ۲۲۳ھ مطابق ۸۳۷ء میں عمان میں ہوئی۔ بعد میں علم اللسان کی تعلیم کے لیے بصرہ کا سفر کیا۔ لیکن وہاں پر حبشیوں کے سیاست پر چھائے جانے کی وجہ سے واپس عمان گیا۔ کچھ عرصہ جنوبی عرب میں گذارا تاکہ صحرائی عربوں سے صحیح تلفظ سیکھ سکے۔ آخر پر فارس گیا اور وہیں اپنی لغت "الجہرہ فی اللغة" تالیف کی۔ ۳۲۳ھ مطابق ۹۳۴ء میں بغداد میں وفات پائی۔ ابودریدہ کو ''شعراء میں سب سے بڑا عالم اور علماء میں سب سے زیادہ شاعر کہا جاتا ہے۔ (ابن الندیم۔ الفہرست بحوالہ Haywood۔

۲۴: S.M Housuf شمولہ A History of Muslim Philosophy ۲۷۔

۲۵: Haywood - Arabic Lexicography، ۴۷۔۴۸۔

۲۶: ابومنصور محمد ابن الازہر الازہری کی پیدائش ہرات میں ۲۸۲ھ مطابق ۸۹۵ء میں ہوئی۔ الفاظ جمع کرنے اور ان کے صحیح تلفظ کے لیے مختلف قبائل کی خاک چھان لی۔ دورانِ سفر بدویوں نے ازہری کو قید کیا اور اسی دوران غلطیوں سے مُبّرا عربی سیکھ لی۔ آخری وقت اپنے وطن میں بسر کیا اور وہ ہیں اپنی لغت "التہذیب فی اللغہ"

لکھی۔اس کی کتاب ''غرائب الالفاظ'' کو ابن خلکان نے فقہ کے غیر معروف الفاظ پر سند قرار دیا ہے۔ ۳۷۰ھ مطابق ۹۸۱ء میں وفات پائی۔

۲۷: Haywood، متذکرہ ۵۴۔۵۵۔

۲۸: S.M.Yousuf۔متذکرہ ۱۰۲۷۔۲۸۔

۲۹: الصاحب (اسماعیل ابن عبّاد ابن عباس ابن عباد ابن احمد ابن ادریس الطلا قانی ابوالقاسم) کی پیدائش ۳۲۶ھ مطابق ۹۳۸ء میں اصفہان میں ہوئی۔ ہر چند کہ الصاحب لغت، ادبی تنقید، مذہب و اخلاقیات، طب، تاریخ اور شعریات میں ماہر تھا لیکن اس کا اصل میدان سیاست تھا۔ الصاحب پہلے اصفہان میں معید الدولہ کا وزیر تھا بعد میں اُس کے بھائی فخرالدولہ کا کہا جاتا ہے کہ Transuxunia کے صمدانی شہزادے نے اُسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ الصاحب نے صرف اس وجہ سے معذرت ظاہر کی کہ اس کے کتب خانے کو لے جانے کے لیے چار سو (۴۰۰) اونٹوں کی ضرورت ہوگی۔ الصاحب کی وجہ تسمیہ بھی اس کی سیاست اور دربار سے وابستگی (مصاحبت) ہے۔ شیخ محمد حسین الیاسین۔الصاحب ابن عباس، بغداد ۱۹۵۷ء بحوالہ (Haywood)۔

۳۰: القِفطی۔ ''انباب الرواہ تنبیہ النحاۃ'' قاہرہ ۱۹۵۰۔۵۵، بحوالہ Haywood۔

۳۱: جمال الدین السیوطی، البغیہ فی طبقات النحویان واللغویان والنحاہ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ بحوالہ Haywood۔

۳۲: اسماعیل ابن قاسم ابن غدون ابوعلی آرمینا کی ایک جگہ قالی (اسی نسبت سے القالی کہا جاتا ہے) میں ۲۸۸ھ مطابق ۹۰۱ء میں پیدا ہوا۔ چالیس سال کی عمر میں بغداد سے ہسپانیہ کا سفر کیا جہاں اُسے سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور قاضی القضا کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۷ء میں قرطبہ میں انتقال کیا۔ دیگر کتب میں ''کتاب العمالی''، ''الف مقصورہ والممدودہ'' شامل ہیں۔

۳۳: ابن سیدہ (ابوالحسن علی بن احمد) کی پیدائش مارسیا (Marcia) میں ہوئی۔ تاریخ پیدائش نامعلوم ہے۔ اس کی دیگر کتب میں ''المخصص'' قابل ذکر ہے جس میں انسانی اعضا سے متعلق الفاظ کو جمع کیا گیا ہے۔ ایس۔ایم۔یوسف نے

اسے ''المحکمہ'' کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ایس۔ایم۔ یوسف ہی کے مطابق ابن سیدہ کی وفات ۴۶۰ھ مطابق ۱۰۶۸ء میں ہوئی۔ لیکن Haywood نے ابن خلکان، درویش اور القفطی کے حوالہ سے ۴۵۸ھ مطابق ۱۰۶۶ء بتائی ہے۔ ابن سیدہ خود بھی نابینا تھا اور اسکا والد بھی۔

۳۴: ابونصر اسماعیل ابن حماد الفارابی الجوہری کی تاریخ پیدائش نامعلوم ہے البتہ اس کی تاریخ وفات ۳۹۸ھ مطابق ۱۰۰۷ء بتائی جاتی ہے۔ Transoxania کی ایک جگہ فاراب میں پیدا ہوا اور وہیں اپنے ماموں ابوابراہیم الفارابی (وفات ۳۵۰ھ مطابق ۹۶۱ء) سے تعلیم حاصل کی۔ الجوہری نے سفر کو سکونت پر ترجیح دی۔ بغداد عرب، مصر اور ربیعہ قبائل سے خالص عربی سیکھ لی۔ بعد میں خراساں آیا اور نیشاپور میں سکونت اختیار کی۔ یہیں اپنی لغت ''صحاح'' بھی لکھی۔ آخر پر ایک مسجد کی چھت پر چڑھ کر خودکشی کی۔ الجوہری لغت نگار ہونے کے ساتھ ساتھ کاتب بھی تھا۔

۳۵: مقدمہ ابن خلدون (دوم) میں بھی یہی تفصیل ملتی ہے۔ ''صحاح'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ علم حدیث اور علم لغت کو جڑواں سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح حضرت امام بخاریؒ کا مجموعہ احادیث صحیح کہلاتا ہے کہ اس میں تواتر، ثقہ روایت، راوی کی دیانت اور دیگر اصولوں کی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی اسی طرح الجوہری نے لغت کے لیے الفاظ جمع کرنے، ان کے تلفظ اور معنی کے سلسلے میں علم حدیث ہی کی طرح سخت اصول برتے۔

۳۶: Haywood، متذکرہ ا ے۔

۳۷: المنجد فی اللغہ (دار المشرق بیروت ۱۹۷۳ء) میں ''سجع'' کی تعریف یوں کی گئی۔

الکلام المقتنیٰ مثلاً لمنیة ٗ والدنیة ٗ۔ اس میں مینة اور دینة ہم قافیہ ہیں۔

۳۸: اے۔ درویش۔ المعجم العربیہ ۹۳۔ قاہرہ ۱۹۵۶ء بحوالہ Haywood۔ ۳۔ ۷

۳۹: بحوالہ ایضاً۔

۴۰: کہا جاتا ہے کہ الجوہری سے پہلے ایک مصری یہودی سعدیہ ابن یوسف۔ (۸۹۳ء تا ۹۴۲ء) نے اس قسم کی قافیائی لغت عبرانی زبان میں لکھی تھی، جس کا نام

Agson تھا۔ اسی طرح الجوہری کے معلم ماموں نے بھی اپنی فرہنگ ''دیوان ادب'' میں یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔

۴۱: مطبوعہ بلخ۔ ۱۸۶۵ء

۴۲: ابن مکرم سے بھی موسوم ہے۔ پورا نام ہے محمد ابن مکرم ابن علی رضوان ابن احمد ابن ابی القاسم ابن حُتبہ ابن منظور الانصاری الاخریعنی المصری جمال الدین ابوالقاضی۔ ۶۳۰ھ مطابق ۱۲۳۲ء میں تیونس میں پیدا ہوا۔ طویل عرصے تک مصر کے مملوکیہ دربار کے ساتھ وابستہ رہا۔ بعد میں تریپولی میں جج مقرر کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابن منظور نے اپنے ہاتھ سے پانچ سو کتب تحریر کیں جو کہ مذہب، سائنس اور علم اللسان سے متعلق ہیں۔ ابن منظور شاعر بھی تھا۔ آخری وقت میں نابینا ہوا اور ۷۱۱ھ مطابق ۱۳۱۱ء میں وفات پائی۔ بحوالہ Haywood۔

۴۳: ایضاً۔ ۸۱

۴۴: یوسف۔ ۱۰۳۹

۴۵: Haywood، ۸۳۔

۴۶: مجد الدین ابن محمد ابن یعقوب الفیروز آبادی شیراز کے ایک گاؤں فیروز آباد میں ۷۲۶ھ مطابق ۱۳۲۱ء میں پیدا ہوا۔ (Haywood) الفیروز آبادی کے اپنے کہنے کے مطابق وہ کرزان میں پیدا ہوا (القاموس قاہرہ ایڈیشن ۱۱، ۱۸۹ بحوالہ ایضاً ۸۳) سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ بعد میں حصول تعلیم کے لئے بغداد گیا۔ زندگی سفر میں ہی گذری۔ بغداد سے شام، یروشلم، قاہرہ، مکہ اور روم کا سفر کیا۔ ہندوستان اور فارس میں بھی کچھ عرصہ بسر کیا۔ آخری ایام عرب میں گزارے جہاں اُسے قاضی القضا کے عہدے پر مامور کیا گیا۔ زبید میں ۸۱۷ھ مطابق ۱۴۱۴ء (Haywood) یا ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۱۳ء (S.M. Yousuf) وفات پائی۔ الفیروز آبادی کی دیگر کتب میں ''صحیح بخاری'' کی شرح اور قرآن کی پہلی صورت البقرہ کی تفسیر کے علاوہ علم اللسان پر چند مختصر رسالے ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی زبان میں رسول اللہ کی سیرت پر بھی ایک کتاب ہے۔

۴۷: البلغہ فی اصول اللغہ۔ صدیق حسین خان۔ استبول ۱۲۹۶ھ جلد چہارم

۹۷ا بحوالہ Hay wood، ۸۷۔

۴۸: ابو عمر اسحاق الشیبانی۔ تاریخ پیدائش نامعلوم ہے۔ تاریخ وفات بعض کے نزدیک ۲۰۶ھ مطابق ۲۲-۸۲۱ء ہے اور بعض کے نزدیک ۲۱۰ھ مطابق ۸۳۵ء ہے۔ الشیبانی کوفہ کا باشندہ تھا اور بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کی۔ صحرائی قبائل میں زندگی کا بیشتر حصہ گزارا۔ ''کتاب الجیم'' کے علاوہ کچھ موضوعاتی رسالے بھی لکھے۔

۴۹: ''کتاب الجیم'' کو ''کتاب النوادرہ'' اور ''کتاب الحروف'' بھی کہا جاتا ہے۔

۵۰: F.Keranow The bigining of Arabic Lexicography until the time of Jauhari - Journal of Royal Asiatic society - Special supplement page 2541 - 1924. (بحوالہ Haywood ۹۴)

۵۱: بحوالہ Haywood ۹۴۔

۵۲: القفطی۔ انباب الرواہ فی تنبیہ النحاہ۔ قاہرہ ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۵ء بحوالہ Haywood ۹۵۔

۵۳: ابو بکر محمد ابن عمر السجستانی کی تاریخ پیدائش اور دیگر کوائف نامعلوم ہیں۔ البتہ تاریخ وفات ۳۳۰ھ مطابق ۹۴۱ء ہے۔

۵۴: تاریخ پیدائش اور کوائف نامعلوم ہیں۔ وفات ۳۳۲ھ مطابق ۹۴۳ء کو ہوئی۔

۵۵: ۴۶۶ھ مطابق ۱۰۷۳ء تا ۵۲۹ھ مطابق ۱۱۳۴ء۔

۵۶: ابو محمد ابن دہان۔ وفات ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۳ء۔

۵۷: Haywood ۹۴۔

۵۸: ایضاً۔ ۹۷۔

۵۹: ایضاً۔ ۹۷۔ ۹۸۔

۶۰: ابوالحسن احمد ابن فارس ابن ذکریا کی تاریخ پیدائش نامعلوم ہے۔ اور تاریخ وفات پر بھی القفطی، ابن خلکان وغیرہ میں اختلاف ہے۔ Haywood نے اِسے ۳۹۰ھ مطابق ۱۰۰۰ء قرار دیا ہے۔ اسی طرح جائے پیدائش پر بھی متضاد آراء ہیں۔ Haywood نے البتہ ہمدان کو اس کی جائے پیدائش مانا ہے۔ ابن

فارس لغت کے علاوہ فقہ میں بھی ماہر تھا۔ اس کی دیگر کتب میں تفسیر القرآن، سوانح وسیرت رسولؐ فقہ، کے اصول وضوابط وغیرہ جہاں مذہب سے متعلق ہیں وہیں علم اللسان پر بھی کچھ سائے ہیں۔

۶۱: Haywood، ۱۰۱۔

۶۲: ایضاً۔

۶۳: اے۔درویش۔''المعجم العربیہ'' قاہرہ ۱۹۵۶ء۔بحوالہ Haywood۔

۶۴: تاریخ وفات۔ ۴۰۰ھ مطابق ۱۰۱۰ء۔

۶۵: Haywood۔ ۱۰۲۔

۶۶: تاریخ وفات ۵۰۱ھ مطابق ۱۱۰۸ء۔ پورا نام ابوالقاسم الحسین الراغب الاصفہانی۔

۶۷: ابوالقاسم محمود ابن عمر الزمخشری (جاراللہ) Transoxania کے ایک گاؤں زمخشر (جدید خیوہ) میں ۴۶۷ھ مطابق ۱۰۷۴۔۱۰۷۵ء میں پیدا ہوا۔ (Haywood-Yousuf)۔ ماہر زبان ہونے کے علاوہ الزمخشری ماہر قرآنیات، قواعد نویس اور جغرافیہ دان بھی تھا۔ اس کی تفسیر قرآن، ''کشاف''، اگرچہ اس کے معتزلی خیالات کی وجہ سے متنازعہ بن گئی، پھر بھی اس کا اہم مقام ہے۔ اس کے علاوہ زمخشری کی کتب میں جغرافیائی لغت "الاممکنہ والجبال المیاہ" اور قواعد ''مفصل'' بھی مشہور ہیں۔ الزمخشری نے خراسان، عراق اور بغداد کا سفر بھی کیا اور آخر پر ۵۳۸ھ مطابق ۱۱۴۴ء میں اپنے آبائی گاؤں میں وفات پائی۔

۶۸: Haywood۔۱۰۵۔

۶۹: اے۔درویش۔''المعجم العربیہ'' قاہرہ ۱۹۵۶۔بحوالہ Haywood نیز S.M. Yousuf۔۱۰۲۹۔۳۱۔

۷۰: Haywood۔۱۰۵۔۵۔

۷۱: علامہ عبدالرحمن، ابن خلدون (دوم) ترجمہ: ۴۷۶۔۷۷۔

۷۲: Haywood۔۱۰۶۔

# ایران میں فارسی لغت نگاری کی روایت

سرزمین فارس (قدیم ایران بشمول خراسان، آذربائجان وغیرہ) میں اسلامی فتوحات سے پہلے بھی مقامی زبانوں اوستا 'پہلوی، دری، خوارزمی اور سندی وغیرہ میں ادب کا ذخیرہ موجود تھا جس میں زرتشتیوں کی مذہبی کتاب ''ژند'' [۱] رزمیہ افسانے اور مثنویاں ''کارنامک اردشیر بالکان'' ''خسرو گوانان''، ''یادگار زریزان'' جسے ''شاہنامہ گشتاسیپ'' بھی کہتے ہیں، کے علاوہ بڑا شعری ذخیرہ خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ لیکن ۶۵۱ء میں اسلامی فتوحات کے بعد اہلِ فارس کی بنیادی توجہ عربی زبان وادب کے فروغ کی طرف مبذول ہوگئی جس کے نتیجے میں ابنِ فارس جیسے عربی علماء پیدا ہوگئے۔ اس کے پسِ پردہ یہ عنصر کارفرما تھا کہ عربی فاتحین کی زبان ہے اور فاتح اور مفتوح کے درمیان ترسیلِ خیالات کے سلسلے سے فاتحین کی زبان غالب رہتی ہے۔ دوسرا اہم عنصر مذہب کا تھا۔ کیونکہ اس سے مختلف لسانی گروہوں کے درمیان جذباتی وابستگی قائم ہوتی ہے جس کے نتیجے میں مذہبی زبان کا سیکھنا ان کے لیے مذہبی فریضہ بن جاتا ہے۔ لیکن عربی کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ قدیم دری زبان بھی ترقی کے منازل طے کرتی گئی۔ فارسیوں کی اکثریت رے کے شمال ومغرب اور جنوب میں واقع تھی جہاں ساسانی دور کی ابتداء (۲۲۷ء) سے ہی پہلوی کی ترویج شروع ہوئی تھی اور لوگوں کی ایک قلیل تعداد، جورے کے

مشرق میں رہتی تھی، دری زبان بولتی تھی۔ طاہریوں (۸۲۰ء تا ۸۷۲ء) کے دور سے تھوڑا تھوڑا ادب دری زبان میں پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ صفاریوں (۸۶۷ء تا ۹۰۳ء) کے عہد میں اس کی ضخامت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اس طرح دری زبان (موجودہ فارسی) کی ایک ہمہ گیر حیثیت بن گئی جو کہ بعد میں عباسی عہد (۷۵۰ء تا ۱۲۵۸ء) کے فوراً بعد ''شعوبیہ'' تحریک کی وجہ سے نکھر گئی۔ ''شعوبیہ'' کا بنیادی مقصد عرب مخالفت اور فارسیوں (ایرانیوں) کی تنظیم نو تھا جس نے مذہبی وابستگی تک کو بھی نظر انداز کیا۔ اس کے نتیجے میں فارسی زبان میں سنجیدہ ادب کا قابل قدر ذخیرہ پیدا ہو گیا۔ طاہریوں اور اسکے بعد صفاریوں کے زمانے سے ہی ایران کی کثیر آبادی کے لیے دری کی تفہیم کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر جب آٹھویں صدی عیسوی سے دسویں صدی عیسوی تک اس زبان نے فردوسی، رودکی اور فرخی جیسے بلند پایہ کے شعراء پیدا کیے تو اس کی تفہیم کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی جس کے نتیجے میں لغت نگاری کی ضرورت بھی محسوس کی جانے لگی۔ اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فارسی لغت نگاری کے اہم محرکات سیاست اور شاعری رہے ہیں۔ اشعار کی تفہیم آج بھی فارسی لغات کا اہم تفاعل ہے۔ چودھویں صدی ہجری میں تالیف کی جانے والی ''فرہنگ نظام'' اس سلسلے میں رقم طراز ہے۔

''خوب واضح شود کہ تالیف ہر فرہنگ برای اشعار بود'' [۳]

ہندوستان اور ترکی میں بھی فارسی لغات کا ایک گراں قدر ذخیرہ تالیف کیا گیا لیکن اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ سعید نفیسی [۴] نے پہلوی کی دو لغات ''آدسم'' اور ''نیا ختانی'' کو فارسی کی قدیم ترین لغات مانا ہے لیکن ہمارا

موضوع جدید فارسی (دری) ہے اس لیے اس زبان کی لغت نگاری کا تاریخی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ دری (آگے فارسی لکھا جائے گا) کی پہلی لغت کے بارے محققین کی مختلف آراء ہیں۔ Haywood[۵] کے نزدیک پہلی فارسی لغت مجہول الاسم ہے اور دوسری لغت جس سے فارسی لغت نگاری کی معروف ابتدا ہوتی ہے ابوحفص السغدی (۲۰۰ھ مطابق ۸۱۵ء) ہے۔ ان دونوں لغات میں سے کسی کا بھی مسودہ موجود نہیں ہے اس لیے تفاوت زمانی کی بنا پر ابوحفص کو ہی اولیت دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ یہ لغت موجود نہیں ہے۔ اس لیے اس کی ترتیب اور طریقے پر کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ مشہور فارسی شاعر رودکی (وفات ۳۰۹ھ مطابق ۹۱۶ء) سے بھی ایک لغت ''تاج المصادر فی اللغۃ الفرس'' منسوب ہے[۶]۔ حاج خلیفہ کی کتاب ''کشف الظنون''[۷] میں دو لغات ''تاج المصادر فی اللغۃ'' مولفہ ابی جعفر احمد بن علی معروف بہ جعفرک اور ''تاج المصادر فی اللغۃ الفرس'' کا حوالہ ملتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں ابتدائی فارسی لغات ہیں اور رودکی بھی فارسی کا ابتدائی شاعر ہے اس لئے اُس کے یعنی ابوعبداللہ جعفر رودکی کے نام اور اول الذکر کے نام میں ''جعفر'' مشترکہ ہونے کی وجہ سے یہ لغت اس سے منسوب کی گئی ہے۔ سعید نفیسی[۸] کے مطابق ''کشف الظنون'' کے جدید استنبول ایڈیشن میں رودکی کا نام اضافی ہے۔ مزید وہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل ہی میں فوت ہوگیا تھا اس لیے نفیسی کے مطابق یہ دو کتابیں نہیں بلکہ ایک ہی کتاب ہے جس کو ابوجعفر احمد بن علی جعفرک بیہقی[۹] (وفات ۵۴۴ھ) نے تالیف کیا تھا۔

جیسے کہ پہلے بھی کہا گیا کہ دری (فارسی جدید) ابتدا میں رَے کے مشرقی

علاقے یعنی خراسان اور ماوراالنہر میں بولی جاتی تھی لیکن غزنیوں کے عہد (ابتدائی گیارھویں صدی عیسوی) میں یہ پھیل کر جنوب اور مغرب تک پہنچ گئی اور سلجوقیوں (۱۰۳۷ء تا ۱۳۰۰ء) کے زمانے میں یہ آذربائیجان تک وسعت پا گئی۔ ابتداء میں اسے ان علاقوں میں غیر زبان سمجھ کر اس سے اغماض برتا گیا لیکن سلجوقیوں کی سرکاری زبان ہونے کے ناطے اس کی ضرورت روز افزوں بڑھنے لگی اور پانچویں صدی ہجری میں اسدی طوسی[۱۰] نے ''لغت فرس اسدی'' یا ''فرہنگ فرس اسدی'' لکھ کر فارسی لغت نگاری کی باقاعدہ ابتدا کی۔ اس لغت میں جہاں مشکل الفاظ کی تشریح ہے وہیں اُس کی خوبی اس کی الفابیائی ترتیب ہے۔ معنی کی وضاحت میں اس میں فارسی کے اشعار بھی ہیں۔ بعض لوگوں کے مطابق اسدیؔ نے اسناد کے طور پر جو اشعار اس میں دئے ہیں وہ اس کی اپنی مثنوی ''گرشاسپ نامہ'' سے ہیں[۱۱]۔ لیکن سعید نفیسی نے اس مفروضے کی زبردست مخالفت کی ہے اور ثبوت میں اسدیؔ کی لغت کے مقدمے کا یہ اقتباس پیش کیا ہے جو نہ صرف حوالہ جات کی جانکاری فراہم کرتا ہے بلکہ اس کی ترتیب کی تفصیل بھی۔

> ''فرزند حکیم جلیل اوخدا رد شیرین بن دیلمسیار النجمی شاعر.....
> از من.....لغت نامہ ای خواست۔ چنانکہ بر ہر لغتی گواہی بود از
> قول شاعری از شعرای پارسی و آن بیتی بود یا دو بیت و بترتیب
> حروف آ، با، تا، ساختم''۔[۱۲]

اگرچہ اس کی ترتیب الفابیائی ہے لیکن یہ لفظ کے ابتدائی حروف کی تنظیم کے اعتبار سے نہیں بلکہ عربی لغت نگار الجواہریؔ کی قافیائی ترتیب پر مشتمل

ہے۔ البتہ اس ترمیم کے ساتھ کہ غیر اساسی حروف (ت، ہ، ی) کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ مثلاً ''آبی'' اور ''ینابہ'' کو ''ب'' کے باب میں درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''دستہ'' کو ''س'' کے باب میں۔ مزید برآں فارسی زبان کی فرہنگ ہونے کی بنیاد پر اس میں خالص عربی حروف (ش، ج، ص، ض، ط، ظ، ع، ق) پر ختم ہونے والے الفاظ کو 'ج' اور 'چ' کے ابواب میں درج کیا گیا ہے۔[۱۳]

اسدی کی فرہنگ کے بعد طویل عرصے تک کوئی خاص لغت سامنے نہیں آئی۔ البتہ آٹھویں صدی ہجری میں شمس الدین محمد ہندو شاہ المعروف شمس منشی کی لغت ''صحاح الفرس'' (۷۲۸ھ) منظر عام پر آئی اور اس کے بعد دسویں صدی ہجری میں مرزا ابراہیم ابن شاہ حسین اصفہانی نے فرہنگ مرزا ابراہیم[۱۴] (قبل از ۹۸۴ء) تالیف کی۔ اس کے علاوہ ''صحاح الادویہ'' مجمع الفرس'' اور ''سرمۂ سلیمانی'' تالیف ہوئیں۔ اگرچہ یہ لغات فارسی لغت نگاری کے تاریخی ارتقاء میں کوئی خصوصیت نہیں رکھتی ہیں لیکن فارسی کی مشہور لغت ''برہان قاطع'' (تفصیل آگے آئے گی) کے منابع میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر ضروری ہے۔ ''صحاح الادویہ'' آٹھویں صدی ہجری میں حسین انصاری اصفہانی نے تالیف کی تھی اور یہ دواؤں کی فرہنگ ہے۔ ''فرہنگ سروری'' یا ''مجمع الفرس'' کو ۱۰۲۸ھ[۱۵] میں محمد بن قاسم بن حاج محمد کاشانی متخلص بہ سروری نے تالیف کیا۔ سروری نے اپنے مقدمے[۱۶] میں خود لکھا ہے کہ اُس نے سولہ لغات سے اخذ واستفادہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تب تک فارسی لغات کا بہت بڑا ذخیرہ مرتب ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس میں چھ ہزار سے زائد الفاظ نہیں ہیں لیکن اس کے آخر میں استعارات کا الگ باب قائم کیا گیا

ہے۔ اس کی ترتیب ''باب'' اور ''فصل'' کے اعتبار سے دی گئی ہے۔ یعنی لفظ کے پہلے حرف سے اس کا باب متعین کیا گیا اور پھر آخری حرف کے لحاظ سے 'فصل' میں جگہ دی گئی [۱۷]۔ سرمۂ سلیمانی کو تقی اوحدی (تقی بن محمد سعید الدین محمد بلبانی حسینی واعظ) نے ۱۰۱۴ھ میں تالیف کیا اور یہ بھی اسدیؔ کی لغت کے تتبع میں لکھی گئی ہے [۱۸]۔

ہندوستان میں ''برہان قاطع'' کی تالیف (تفصیل آگے آئے گی) کے ساتھ ہی ایرانیوں نے لغت نگاری کی طرف سنجیدہ توجہ دینا شروع کی تھی۔ ۱۲۴۰ھ میں محمد کریم تبریزی نے ''برہان'' کا خلاصہ ''برہان جامع'' لکھی۔ ۱۲۸۸ھ میں رضا قلی خان ہدایتؔ نے ''فرہنگ انجمن آرا'' اور ۱۳۶۰ھ میں میر علی اکبر خان نفیسیؔ نے ''فرہنگ ناظم الاطباء'' یا ''فرنودسار'' لکھی۔ یہ سب لغات انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ایران میں لغت نگاری کے سلسلے میں ادارہ جاتی کوششیں کی جانے لگیں اور ''مجلس شورای ملیّ'' ادارہ قائم کیا گیا جس نے دانشگاہ تہران کی اعانت سے ایک ضخیم لغت کی تیاری کی۔ مشہور و معروف ادیب اور محقق آقا علی دہخداؔ کی سربراہی میں لغت کی ابتدا کی گئی جس کی قیادت دہخداؔ کی وفات کے بعد ڈاکٹر محمد معین کو سونپی گئی۔ اس ادارے نے ایک ضخیم لغت آقای رہنما دہخدا کی نسبت سے ''لغت نامہ دہخدا'' شایع کی جس کی اب تک اکیاسی (۸۱) سے زیادہ جلدیں [۱۹] منظر عام پر آ گئی ہیں۔ لیکن یہ لغت سے زیادہ دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ ڈاکٹر معین [۲۰] نے بھی وضاحت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سی غلطیاں بھی راہ پا گئی ہیں۔ مثلاً اس میں تاج محل کو نور جہاں کا مقبرہ لکھا گیا

ہے۔ اسکے علاوہ اس میں غیر ضروری طوالت بھی ملتی ہے کیونکہ ایک حوالہ کے طور پر ایک ہی شاعر کے کئی اشعار دے گئے ہیں [۲۱]۔

زمانہ حال میں جو لغات ایران میں تالیف کی گئی ہیں ان میں متذکرہ ''برہان قاطع'' (مصحح ڈاکٹر معین) اہم ہے۔ اس میں گذشتہ ایڈیشنوں کے برعکس ملحقات کا اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حسن عمید کی ''فرہنگ عمید'' [۲۲] بھی اہمیت کی حامل ہے ہرچند کہ اس میں وہ مواد بھی شامل کیا گیا ہے جو اسے بھی قاموس کے نزدیک لاتا ہے۔ حسن عمید [۲۳] اپنی لغت کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں اصطلاحات ادبی، معانی و بیان و بدیع و عروض و قافیہ اصطلاحات علمی اور دیگر علوم کے الفاظ ہیں۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ایرانیوں نے لغت نگاری کی طرف پوری توجہ دی ہے لیکن آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے طرز پر ابھی کوئی لغت وجود میں نہیں آئی ہے۔

## حواشی

ا: ''تاریخ ادبیات ایران'' از رضا زادہ شفق۔ ص ۳۵۔۳۶

☆ مذہب خدائی ثنویت پر مبنی تھا جس کے مطابق ''یزدان'' نیکی کا پروردگار اور ''اہرمن'' بدی کا تھا۔

۲: Arabic Lexicography - J.A. Haywood، ص:۱۱۶

۳: مقدمہ فرہنگ نظام۔ جلد اول ۱۵

۴: سعید نفیسی۔ A History of Muslim Philosophy۔ ۱۹۸۹

۵: Haywood۔ ۱۱۷۔

۶: ایضاً۔

۷: بحوالہ سعید نفیسی۔ فرہنگہای پارسی۔ مشمولہ ''برہان قاطع'' (مصحح ڈاکٹر معین) جلد اول۔ ۶۵۔

۸: سعید نفیسی۔ مشمولہ ایضاً۔

۹: Haywood۔ ۱۱۷ اس کے مطابق رودکی کا سنہ وفات ۳۰۷ھ ہے جبکہ نفیسی کے مطابق وہ ۳۳۹ھ تک زندہ تھا۔

۱۰: ابوالمنصور علی بن احمد اسدی طوسی آذربائیجان کا رہنے والا تھا۔ اس کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ بتائی جاتی ہے۔ ''لغت فرس اسدی'' تین بار شائع ہوئی ہے۔

۱۱: ''گرشاسپ نامہ'' کی تقلید میں فردوسی کی مشہور مثنوی ''شاہنامہ لکھی گئی۔ یہ ۱۰۶۶ء میں مکمل ہوئی۔

۱۲: سعید نفیسی۔ مقدمہ قاطع برہان (مصحح ڈاکٹر معین ۰۷) نفیسی کے مطابق اسدی کا یہ شاگرد ابو المہیجار اردشیرین ہے جس نے ۵۰۸ھ میں ترکی زبان میں ''اساس البلاغہ'' نام کا رسالہ لکھا۔

۱۳: ''لغت فرس'' تہران ایڈیشن ۱۹۵۷ء بحوالہ Haywood۔ ۱۱۷

۱۴: برہان قاطع (مصحح ڈاکٹر معین) جلد دوم نیز لغت نامہ دہخدا۔ مقدمہ ۱۸۷۔۱۸۸ نیز مقدمہ ''صحاح الفرس'' ڈاکٹر عبدالعلی طائق بحوالہ ڈاکٹر معین مقدمہ فرہنگ معین۔

۱۵: ''مجمع الفرس'' (لغت سروری) کو اگرچہ ۱۰۰۸ھ میں تالیف کیا گیا تھا لیکن اس پر ۱۰۲۸ھ میں نظر ثانی کی گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سروری نے ''فرہنگ جہانگیری'' کی شہرت سن کر شاہجہاں کے عہد (۱۶۲۷ھ تا ۱۶۵۸ھ) میں اصفہان سے ہندوستان ہجرت کی۔

۱۶: بحوالہ علی اصغر حکمت۔ مقدمہ برہان قاطع (مُصحح ڈاکٹر معین) ۸۵۔

۱۷: ایضاً

۱۸: ۱۰۱۵ھ میں ہجرت کر کے جہانگیر کے عہد (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) میں ہندوستان آیا۔

۱۹: بحوالہ ڈاکٹر معین۔

۲۰: ایضاً۔

۲۱: پروفیسر حسن۔ مشمولہ لغت نویسی کے مسائل۔ ۱۴۱۔

۲۲: مؤسسۂ انتشارات امیر کبیر نے اسے تہران سے ۱۳۵۸ھ میں شائع کیا۔

۲۳: حسن عمید۔ فرہنگ عمید مقدمہ۔ ۳۶۔

# ہندوستان میں فارسی لغت نگاری کی روایت

ایران میں بے شک فارسی لغت نگاری کی شروعات ہوئی لیکن اس کو پنپنے کے مواقع ایران سے باہر ہی ملے۔ ترکی کی خلافت عثمانیہ میں فارسی ایک اہم زبان کا درجہ رکھتی تھی۔ اس طرح فارسی الفاظ کو سمجھنے کے لیے وہاں لغت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ترکی میں تالیف شدہ فارسی لغات میں ''لغات حلیمی'' لغات شاعری ''دسنیہ کبیر'' اور لغات ''شاہنامہ'' قابل ذکر ہیں[1]۔ ان لغات میں فارسی الفاظ کی وضاحت ترکی زبان میں کی گئی ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان میں لکھی گئی فارسی لغات ایرانی لغات کی طرح یک لسانی (فارسی۔فارسی) ہیں نہ کہ ترکی کی طرح دولسانی۔ فارسی لغت نگاری کو صحیح معنوں میں ترقی کی انتہا تک پہنچانے میں ہندوستانی علماء کا زبردست کردار رہا ہے۔ فارسی ہندوستان کی سرکاری زبان مغلیہ شہنشاہ اکبر (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے زمانے میں بن گئی لیکن اس سے پہلے ہی فارسی نے سرزمین ہندوستان میں قدم جمانا شروع کیے تھے۔ ہندوستان کے علماء اور ایرانی مہاجرین کی کوششوں سے پانچ سو سال کے عرصے میں ہندوستان میں فارسی لغات کا ایک بیش بہا ذخیرہ معرض وجود میں آ گیا۔

سعید نفیسی اور Haywood[2] نے ہندوستان میں مرتب کی گئی پہلی فارسی لغت قاضی خان بدر محمد دہلوی المعروف دھاروال کی لغت ''ادات

الفضلا'' کو مانا ہے۔ جبکہ دیگر محققین[۳] اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان کی پہلی فارسی لغت علاء الدین خلجی کے زمانے (۱۲۹۵ء تا ۱۳۱۶ء) میں مشہور شاعر فخر الدین قواس غزنوی کی ''فرہنگ نامہ قواس''[۴] ہے۔ اور یہ صحیح بھی ہے کیونکہ سعید نفیسی اور Haywood نے بھی ان محققین ہی کی طرح ''ادات الفضلا'' کی تالیف کا زمانہ ۸۲۲ھ مطابق ۱۴۱۹ء مانا ہے جبکہ ان محققین کے مطابق ''فرہنگ نامہ قواس'' اس سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے یعنی ۷۱۳ھ مطابق ۱۳۳۲ء میں لکھی گئی ہے۔ یہ لغت بھی ابتدائی عربی فرہنگوں کی طرح موضوعاتی ہونے کے ساتھ ساتھ الفابیائی عناصر کی حامل ہے۔ یعنی اس میں الفابیائی ترتیب میں مختلف موضوعات سے تعلق رکھنے والے الفاظ درج کیے گئے ہیں۔ البتہ اس کی یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ الفاظ کی تشریح کے سلسلے میں مسعود سلیمانؔ، سوزنیؔ سمرقندی، سنائیؔ، معزیؔ، خاقانیؔ، انوریؔ، عطارؔ اور ظہیر فاریابیؔ جیسے معتبر فارسی شعراء کے اشعار سند کے طور پر دیے گئے ہیں۔ لیکن بقول ڈاکٹر انصاری[۵] رومیؔ اور سعدیؔ جیسے اساتذہ فن کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ ''فرہنگ نامہ قواس'' کی تالیف کے بعد بھی ایسی دو لغات ہیں جن کو ادات الفضلا'' پر زمانی اوّلیت حاصل ہے۔ پہلی لغت دستور الافاضل[۶] ہے جس کو رفیع حاجب خیراتؔ نے ۷۴۳ھ یا ۷۷۳ھ میں لکھا ہے۔ دوسری لغت ''معیار جمالی''[۷] جس کو نفیسی کے مطابق ۷۴۴ھ میں شاہ شیخ ابو اسحٰق نے اسدی طوسی کی لغت کو بنیاد بنا کر لکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ''ادات الفضلا'' زمانہ کے لحاظ سے اولین لغت نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ بعد کی لغات کے لیے اہم ماخذ رہی۔ ان لغات کے بعد بہت سی چھوٹی چھوٹی لغات تالیف

کتبِ تواریخ اور شعراء کے دواوین سے مدد لی ہے جن کے اشعار بطور سند اس میں شامل کیئے گئے [۱۱]۔ فارسی میں یہ پہلی لغت ہے جس کی تالیف کے لیے عربی مولفین کی طرح فیلڈ ورک (field work) کو بھی بروئے کار لایا گیا۔ اسی مقدمے میں مولف نے لکھا ہے کہ ایسے الفاظ جو کسی شاعر کے دیوان میں تو تھے لیکن کسی لغت میں نہیں تھے، کی وضاحت کے لیے اس نے ان علاقوں کا دورہ کیا جہاں کا باشندہ مصنف یا شاعر تھا۔ مثلاً حدیقہ اور دیوان سنائیؔ کے الفاظ کے لیے کابل اور غزنین کے لوگوں سے وضاحت حاصل کی۔ اسی طرح حکیم ناصر خسرؔو کے دیوان اور سفرنامے کے الفاظ کے لیے خراسانیوں اور بدخشانیوں سے پوچھ گچھ کی [۱۲]۔ ''فرہنگ جہانگیری'' کی اس سے بڑی خصوصیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہ مابعد کی متداول لغات مثلاً 'فرہنگ رشیدی'' اور ''برہان قاطع'' (تفصیل آگے آئے گی) کے منابع میں شامل ہے۔ ''فرہنگ رشیدی'' (تالیف ۱۰۶۴ھ تا ۱۰۷۷ھ) کے مولف عبدالرشید تتھوی نے اپنی لغت کے مقدمے میں لکھا ہے کہ اس کے مآخذات میں ''فرہنگ سروری'' اور ''فرہنگ جہانگیری'' خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں [۱۳]۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ''سروری'' اور ''جہانگیری'' پر اعتراضات اٹھانے والوں میں تتھوی سرفہرست ہے۔

ہندوستان میں فارسی لغت نگاری کا دوسرا دور ''جہانگیری'' سے شروع ہو کر ''رشیدی'' پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور کو Haywood [۱۴] نے عربی لغت نگاری کے زیرِ اثر گردانا ہے کیونکہ اس دور میں فارسی لغت نگاری نے جہاں ضخامت، فیلڈ ورک وغیرہ شعبوں میں زبردست ترقی کی وہیں ترتیب الفاظ،

ضبط تلفظ اور معانی میں کوئی حتمی اصول نہیں اپنایا گیا۔ بلکہ موخر الذکر کے سلسلے میں اس دور میں زبردست لغزشیں راہ پا گئیں، جن کی نشاندہی قلی خان ہدایت مولف ''انجمن آرائے ناصری'' (تفصیل آگے آئے گی) نے کی ہے۔

ہندوستان میں فارسی لغت نگاری کا تیسرا اور اہم ترین دور محمد حسین بن خلف تبریزی متخلص بہ برہان کی لغت ''برہانِ قاطع'' سے شروع ہوتا ہے جس کی تالیف ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۶۵۲ء میں ہوئی[۱۵]۔ اس کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی کہ یہ انیسویں صدی کے زبردست علمی مناقشے کی وجہ بن گئی اس کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر نذیر احمد نے لکھا ہے۔

۱۔ اپنے عہد تک کے سارے فارسی لغات میں سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ کسی قدیم فرہنگ میں اتنے الفاظ نہیں ہیں جتنے اس لغت میں ہیں۔

۲۔ اس کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے اور اس سے قبل کسی فرہنگ میں ترتیب اتنی محکم نہیں ہے۔

۳۔ اس میں الفاظ کے معنی ترتیب وار درج ہوئے ہیں۔ معانی کی اتنی تفصیل کسی اور فرہنگ میں نہیں ملتی۔

۴۔ اکثر الفاظ کا تلفظ بھی منضبط کر دیا گیا ہے''۔[۱۶]

لیکن ''بُرہان'' پر جتنے اعتراضات اٹھائے گئے اتنے مشرقی لغت نگاری میں کسی اور لغت پر نہیں اٹھائے گئے۔ اس کے معترضین میں مرزا اسد اللہ خان غالب سر فہرست ہے۔ غالب کے اعتراضات میں لفظوں کی تصحیف و تحریف، غلط تلفظ اور سریانی، عبرانی، ژندو پاژند کے غیر مستعمل الفاظ کی شمولیت کے علاوہ اشتباہات قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر محمد معین نے ''برہان قاطع'' کے نقائص

کے بارے میں ایک مضمون میں تفصیلی بحث مثالوں کے ساتھ کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب مذکور نے ہی بعد میں ان نقائص کا مثلاً (۱) شواہد کی عدم شمولیت (۲) دساتیر سے لئے گئے الفاظ (۳) ہزوارش الفاظ کا اندراج (۴) الفاظ کی عدم صحت کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے۔

(الف) نداشتن شاہد، کہ خود عذر آں راخواستہ

(ب) نقل لغات وساتیر، بدیھی است کہ ازیں لحاظ نیز تقصیری متوجہ او نیست زیران سی سال پیش، این کتاب مورد توجہ وعلاقۂ بسیاری از دانشمندانِ ایرانی، و پارسی ھندوار دیابی بودہ است۔

(ج) آوردن ھزوارشھا ولغات پھلوی غیر مستعمل در پارسی۔

(د) ضبط غلط تلّفظ لغات۔

(ہ) تصحیف لغات۔

(و) معانی نادرست۔

(ز) عدم دقت در مصحف منقولات، حسین خلف منقولات خود رابدون تتبّع نقل میکند و چون عادہ مآخذ راذ کر نمیکند نیتجہ این میشود کہ گاہ مطلب بکلی نامفہوم میماند''[۱۷]

بقول پروفیسر نذیر احمد ''برہان قاطع'' کا مؤلف نقاد فن نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس میں رطب و یابس سب جمع ہوگیا۔ پروفیسر[۱۸] موصوف کے نزدیک ''برہان'' میں تین بنیادی نقائص ہیں۔

(۱) تصحیفات یعنی غلط معانی کی وجہ سے ایک لفظ سے دوسرے لفظ کی تشکیل مثلاً ''توشہ'' کے بجائے 'بوسہ' پڑھنا (۲) جعلی کتاب ''دساتیر''[۱۹] کے

الفاظ اور (۲) ہزوارش [۲۰] الفاظ کی کثرت یعنی کسی لفظ کو لکھنا لیکن اس کا مترادف ومتبادل لفظ پڑھنا۔ مثلاً ''جلنا، لکھنا''، اور ''پوست'' پڑھنا یا 'ملکا' لکھنا اور 'پادشاہ' پڑھنا۔ لیکن ستم ظریفی کا مقام یہ ہے کہ ''برہان'' کے سب سے بڑے معترض مرزا غالبؔ نے ان ہی نقائص کو سب سے بڑی خوبیاں گردانا ہے۔ چنانچہ دساتیر کے جعلی ہونے کی تحقیق بعد میں ہوگئی تھی اس لئے ماضی قریب تک دساتیری الفاظ کو استعمال کرنا باعث افتخار سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً صاحب ''انجمن آرائے ناصری'' کے علاوہ فتح اللہ شبانی اور مرزا فرحت شیرازیؔ وغیرہ نے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ غالبؔ نے جہاں مولف ''برہان قاطع'' پر الفاظ تراش ہونے کا الزام لگایا ہے وہیں وہ اُسے دساتیری الفاظ کی لغت میں شمولیت کی بناء پر لائق استحسان سمجھتے ہیں۔ غالبؔ کے الفاظ ہیں۔

''جس طرح کمال اسماعیل کو خلاق المعانی کا لقب دیا گیا ہے، اگر ان بزرگوار (یعنی صاحب برہان) کو خلاقِ الفاظ کہا جائے تو تعجب نہ ہوگا۔ سوائے چند الفاظ کے جو دساتیر سے ماخوذ ہیں یا تھوڑے سے اور الفاظ جن میں تصرّف نہیں ہوا ہے۔ پوری کتاب آشوب چشم اور آزارِ دل ہے'' [۲۱]۔

مرزا غالبؔ کے رسالہ ''قاطع برہان'' کا نکلنا تھا کہ ایک علمی مجادلے کا آغاز ہوگیا جو کہ طول پکڑ کر عدالت تک جا پہنچا۔ غالبؔ کی تردید میں جو رسالے شائع ہوئے ان کا آغاز [۲۲] سید سعادت علی کے رسالہ ''محرق قاطع برہان'' (فارسی ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء) سے ہوا۔ ''محرق'' کی تائید میں جو مواد شائع ہوا اُس میں مرزا رحیم بیگ میرٹھی کا ''ساطع برہان'' (فارسی

۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء) آغا احمد علی شیرازی کا ''موید برہان'' ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء) شامل ہیں۔ اسی طرح ''برہان قاطع'' کی تردید میں غالب کے مذکورہ ''قاطع برہان'' کے علاوہ اُس کا ''غالب نامہ'' (اردو مکتوب ۱۸۶۵ء) اور منظوم قطعہ ''قطعۂ غالب'' (فارسی ۱۲۸۲ھ) اور رسالہ ''تیغ تیز'' (اردو ۱۸۶۷ء) کے علاوہ عبدالکریم کا رسالہ ''سوالات عبدالکریم'' (اردو ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء) ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بھی غالب نے ہی لکھا تھا۔ اسی طرح غالب کی حمایت میں چند چھوٹے رسالے بھی نکلے جن میں ''لطائف غیبی'' اور ''دافع ہذیان'' شامل ہیں۔

''برہان قاطع'' کی تالیف نے ہندوستان کی فارسی لغت نگاری پر ایسے نقوش مرتسم کئے کہ اس کے بعد اس میدان میں کسی قسم کی پیش رفت نہ ہوسکی۔ البتہ چند لغات منظرِ عام پر آگئیں جو کہ یا تو گزشتہ لغات کی ترمیم ہیں یا توسیع۔ مثلاً سراج الدین علی خان آرزو کی دو لغات 'سراج اللغت'' [۲۳] (۱۱۴۷ھ) اور ''چراغ ہدایت'' (بعد ۱۱۶۹ھ) بالترتیب شعرائے متقدمین اور متاخرین کے ان نادر الفاظ اور ضرب الامثال پر مبنی ہیں جو کہ ''جہانگیری'' ''سروری'' اور ''برہان'' وغیرہ میں درج نہیں ہیں۔ اسی طرح نواب اودھ غازی الدین حیدر [۲۴] کی لغت 'ہفت قُلزم'' سوائے چند معمولی ترمیمات کے سابقہ لغات کا چربہ ہے۔ رشید حسن خان [۲۵] نے اسے نواب موصوف کی تالیف ماننے سے ہی انکار کیا ہے۔ خان صاحب کے بقول یہ مولوی محمد مقبول کی تالیف ہے جس نے اس لغت کا دیباچہ لکھا ہے۔ وجہ یہ بتائی ہے کہ اسی دیباچے کے مطابق محرم ۱۲۲۹ھ کو لغت کی ابتدا ہوئی اور ذی الحجہ ۱۲۳۰ھ کو

اختتام پذیر ہوگئی۔ اتنی قلیل مدت میں اتنی ضخیم لغت کی تالیف ناممکن ہے۔ خان صاحب موصوف کے مطابق ''ہفت قلزم'' کو سرکاری سرپرتی میں مولوی محمد مقبول نے دیگر علماء کے اشتراک ومعاونت سے ترتیب دیا۔ ''ہفت قلزم'' سات جلدوں پر مشتمل ہے جن میں سے پہلی چھ جلدیں الفاظ پر مشتمل ہیں جب کہ آخری جلد میں قواعد زبان، اقسامِ نظم ونثر، صائع لفظی ومعنوی اور عروض کا بیان ہے۔ ان لغات کے علاوہ جو دیگر لغات ہندوستان میں تالیف ہوئیں ان میں ٹیک چند بہار کی ''بہار عجم'' (۱۱۵۲ھ) غیاث الدین کی ''غیاث اللغات'' (۱۲۴۲ھ) عزیز جنگ کی ''آصف اللغات'' (۱۲۴۰ھ) وغیرہ ''برہان'' کے اثر میں لکھی جانے والی لغات میں شامل ہیں۔ البتہ یہاں پر ''فرہنگ آنندراج'' مولفہ محمد بادشاہ کا تذکرہ ضروری ہے جو کہ تین جلدوں میں (۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۴ء) شائع ہوئی۔ اس کے مآخذات میں فارسی کی گیارہ متداول لغات [۲۶] ہیں اور جابجا ان کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر لفظ کی توضیح کے لیے ایک یا ایک سے زیادہ اشعار بطور سند پیش کیے گئے ہیں۔ ''فرہنگ آنندراج'' میں اگرچہ مولف نے آرزو کی ''سراج اللغت'' اور ''چراغ ہدایت'' کو اپنے منابع میں نہیں گنوایا ہے لیکن بقول ڈاکٹر فرید برکاتی [۲۷] اس کے لیے ان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی لغت کی ابتدا کے پس پردہ جو محرکات کارفرما تھے وہ لسانی اہمیت کے کم اور سیاسی زیادہ تھے۔ یہاں پر ''فرہنگ نامہ قواس'' سے فارسی لغت نگاری کی ابتداء ہوئی جو کہ ''برہان قاطع'' اور اس کے اثر میں لکھی گئی لغات پر اختتام پذیر ہوئی لیکن اس دوران ایران

میں بھی فارسی کی چھوٹی بڑی لغات منظرعام پر آتی رہیں۔ سعید نفیسی [۲۸] نے ایسی دوسو دو لغات کی فہرست تیار کی ہے جو کہ اس مدت میں ہندوایران میں مرتب ہوگیں۔ اس طرح یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں فارسی لغت نگاری کے نتیجے میں ایران میں اس پر جمود آ گیا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں تالیف شدہ فارسی لغات نے فارسی زبان وادب میں ایسا گراں قدر اضافہ کیا جو کہ اہل ایران سے بھی نہ ہوسکا۔ یہاں تک کہ آج بھی ایرانی علماء ہندوستان کی فارسی لغات سے استفادہ کرتے ہیں جس کی واضح مثال ان لغات کے تہران میں طبع شدہ متعدد ایڈیشن ہیں۔ خاص کر مشہور محقق ڈاکٹر معین کا ''برہان قاطع'' کا تازہ ترین ایڈیشن اس بات کا ثبوت ہے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال اور انگریزی حکومت کی شروعات کے نتیجے کے طور پر فارسی زبان کی جگہ انگریزی نے لی اور جس طرح سیاسی وجوہات کی بنا پر فارسی زبان وادب کے ساتھ ساتھ لغت نگاری کی ابتداء ہوئی تھی ان ہی وجوہات کی بنا پر فارسی زبان وادب کے اثرات کم ہوتے گئے اور انیسویں صدی کے اوائل سے فارسی لغت نگاری کا یہاں پر منطقی طور پر خاتمہ ہوگیا۔

## حواشی:

ا: سعید نفیسی۔ مشمولہ A history of Muslim Philosophy۔ ۱۰۵۶ء
۲: سعید نفیسی۔ مقدمہ برہان قاطع۔ ۰ کے Haywood۔ ۱۱۷۔ ۱۸۔
۳: مثلاً پروفیسر نذیر احمد (نقد قاطع برہان) حافظ محمود شیرانی (فارسی کی قدیم فرہنگوں میں ہندوستانی عناصر مشمولہ ارمغان مالک، مجلس ارمغان مالک ۱۹۷۱ء) ڈاکٹر جمیل جالبی (تاریخ ادب۔ جلد اول) ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری (مشمولہ غالب نامہ ۱۹۸۸ء) اور ڈاکٹر مسعود ہاشمی (اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ)۔
۴: پروفیسر نذیر احمد (نقد قاطع برہان) کے مطابق فرہنگ نامہ تو اس ۶۹۰ھ میں تالیف ہوئی ہے۔ اگر یہ تاریخ یا ۷۴۲ھ (۱۳۳۲ء) صحیح ہے تو پھر یہ علاء الدین خلجی کے زمانے میں تالیف نہیں ہوئی ہے کیونکہ علاء الدین خلجی کی وفات ۱۳۱۶ء میں ہوئی تھی جس کے بعد اس کا بیٹا مبارک خان صرف چار سال تک تخت پر قابض رہا اور ۱۳۱۹ء میں غیاث الدین تغلق نے دہلی کی حکومت پر قبضہ کر کے تغلق خاندان کی بنیاد ڈالی۔ یہ خاندان ۱۴۱۴ء تک حکومت کرتا رہا۔ A History of Islamic world (M. Ahsanullah)۔ ۱۷۷ء
۵: ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری۔ مشمولہ غالب نامہ ۱۹۸۸ء۔ ۱۲۲۔
۶: پروفیسر نذیر احمد نے اس کا نام "دستور الفضل" لکھا ہے۔ پروفیسر مذکور کے مطابق اس لغت کے واحد دریافت شدہ ناقص نسخے کی تصحیح کر کے اِسے "بنیاد فرہنگ تہران" سے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا گیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی یہی نام لکھا ہے لیکن اس کا سنہ تصنیف ۷۷۳ھ مطابق ۱۵۷۱ء بتایا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر ہاشمی نے اس کا نام دستور الافاضل بتا کر پروفیسر نذیر احمد کے حوالے سے سنہ تصنیف ۷۴۳ھ لکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد معین نے بھی اسکا نام "دستور الافاضل" اور سنہ ۷۴۳ھ لکھا ہے۔
۷: سعید نفسی۔ مقدمہ برہان قاطع، ۷۱۔ ڈاکٹر معین کے مطابق اس لغت کا پورا نام، معیار جمالی ومفتاح ابواسحٰقی" ہے۔ اس کو شمس الدین بن فخر الدین اصفہانی

معروف بہ شمس فخری نے ۷۴۴ھ میں لکھا ہے۔ اس میں فنون اربعہ یعنی علم عروض، علم قوانی، علم بدائع وصنائع اور علم لغت نگاری شامل ہیں۔ اسکا خطی نسخہ علامہ دہخدا کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۸: پروفیسر نذیر احمد۔ ہندوستان کا قدیم ترین فارسی لغت۔ مشمولہ سہ ماہی فکر ونظر علی گڑھ جولائی ۱۹۶۵ء، ۱۷۔ نیز نقد قاطع برہان مع ضمائم ۴ تا ۸ نیز سعید نفیسی۔ برہان قاطع (مصحح ڈاکٹر معین) ۷۱ تا ۷۲۔

۹: حسین انجوی کا لقب عضدالدولہ تھا۔ اس کا تذکرہ ''آئین اکبری'' اور ''ماثر الامراء'' میں بھی ہے۔ اگرچہ ''فرہنگ جہانگیری'' کی تکمیل ۱۰۱۷ھ ہوئی تھی، جس کی تصدیق مادہ تاریخ ''زہی فرہنگ نورالدین جہانگیر'' سے بھی ہوتی ہے، لیکن شہنشاہ جہانگیر نے اپنی ''تزک'' میں خود صراحت کی ہے کہ یہ بعد از تجدید ونظر ثانی ۱۰۳۲ھ میں مکمل ہوکر اسے پیش کی گئی۔ (بحوالہ علی اصغر حکمت) مقدمہ برہان قاطع (مصحح ڈاکٹر معین) ۸۲۔

۱۰: Haywood۔ ۱۱۸۔

۱۱: مقدمہ فرہنگ جہانگیری۔ بحوالہ پروفیسر سید حسین۔ مشمولہ لغت نویسی کے مسائل، ۳۵۔ نیز علی اصغر حکمت۔ مقدمہ قاطع برہان ۱۸۳۔ اصل مقدمے میں ان فرہنگوں کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

۱۲: مقدمہ ''فرہنگ جہانگیری'' بحوالہ پروفیسر سید حسین متذکرہ ۳۵۔۳۶۔

۱۳: دیباچہ ''فرہنگ رشیدی'' بحوالہ رشید حسن خان۔ زبان اور قواعد ۲۲۹۔۳۰۔ پروفیسر نذیر احمد کے مطابق اس کا سنہ تصنیف ۱۰۶۴ھ اور سعید نفیسی کے مطابق ۱۰۷۷ھ ہے۔

۱۴: بحوالہ Haywood۔ ۱۱۸۔

۱۵: ''برہان'' قاطع گول کنڈہ کے سلطان عبداللہ قطب شاہ (ولادت ۱۰۲۳ھ تخت نشینی ۱۰۳۶ھ، وفات ۱۰۸۸ھ) کے عہد میں اور اُسی کی سرپرستی میں تالیف ہوئی۔ ''بُرہان'' کے ۱۰۶۲ھ میں مکمل ہونے کی تصدیق حسین تبریزی مولف ''برہان'' کے اس مادّہ تاریخ سے بھی ہوتی ہے۔

چوں برہان از رہ توفیق یزدان        مرا این مجموعہ راگردید جامع
پی تاریخ اتمامش قضا گفت        کتاب جامع برہان قاطع

(بحوالہ علی اصغر حکمت۔ ۸ے)

لیکن ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری نے سہواً اس کا مادۂ تاریخ ''ناقع برہان قاطع'' لکھا ہے۔ (تحقیقی جائزے ۱۸۲)۔ ''برہان'' کا ضمیمہ جس میں بعض ملحقات بھی شامل کئے گئے ہیں، مولف کا نہیں بلکہ ایک مستشرق تھامس روبک کا لکھا ہوا ہے ''برہان قاطع'' کا تازہ ترین ایڈیشن ڈاکٹر محمد معین نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے لیکن اس میں ملحقات کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

۱۶: پروفیسر نذیر احمد۔ نقد قاطع برہان مع ضمائم ۱۔

۱۷: ڈاکٹر محمد معین۔ مقدمہ قاطع برہان (مصحح ڈاکٹر معین) ۹۶۔

۱۸: پروفیسر نذیر احمد۔ نقد قاطع برہان مع ضمائم ۲۴۶ تا ۲۵۲۔

۱۹: دساتیری عقائد کے مطابق یہ سولہ کتابوں کا مجموعہ ہے جو کہ ایک طویل مدت کے دوران پندرہ پیغمبروں اور ایک برگزیدہ ہستی (اسکندر) پر نازل ہوئیں۔ اس کے ماننے والے پارسی، یزدانی، ایزدی اور آذر ہوشنگی وغیرہ ہیں۔ مدت تک لوگ اُسے زرتشی مذہب کی مقدس کتاب سمجھتے تھے لیکن زمانۂ حال کی تحقیق نے اس کو جعلی ثابت کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر نذیر احمد کی کتاب نقد قاطع برہان مع ضمائم) ۳۸۔

۲۰: ہزوارش یا زوارش پہلوی زبان کی اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں گذارش اور بیان وغیرہ لیکن اصطلاحی معنوں میں یہ پہلوی زبان کے ایسے الفاظ کے لئے مستعمل ہے جن کی کتابت سامی تلفظ کے اعتبار سے ہوتی ہے لیکن پڑھتے وقت اس کا مترادف لفظ پڑھا جاتا ہے۔ ابن الندیم نے ''الفہرست'' میں ہزوارش کے ذیل میں لکھا ہے ''جس نے ارادہ کیا کہ وہ گوشت لکھے جس کو عربی میں "لحمٌ" کہتے ہیں۔ وہ ''بسر'' لکھتا ہے اور ''گوشت'' پڑھتا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد۔ متذکرہ ۳۵۳)۔

۲۱: مرزا غالب۔ مقدمہ قاطع برہان ۴، بحوالہ پروفیسر نذیر احمد متذکرہ ۲۷۳۔

اصلی عبارت ہے ''چنانکہ کمال اسماعیل را خلاق المعانی لقب است، اگر این بزرگوار را خلاق الالفاظ خوانند چہ عجب است، جز لُغتی چند کہ از دساتیر آوردہ یا دیگر لغات اندک کہ دواں تصرف بکا نبرد، ہمہ آشوب چشم است و آزار دل''۔

۲۲: ڈاکٹر محمد معین۔ مقدمہ بُرہان قاطع۔ ۱۱۰۔۱۱۲

۲۳: دونوں لغات ہنوز طبع نہیں ہوئی ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور امیر الدولہ پبلک لائبریری میں ان لغات کے نسخے موجود ہیں۔ (بحوالہ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری تحقیقی جائزے ۸۱۔۸۴)۔

۲۴: ولادت ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء۔ تخت نشینی ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۸ء، وفات ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء۔

۲۵: رشید حسن خان۔ زبان اور قواعد۔ ۱۳۱۔

۲۶: بہار عجم، غیاث اللغات، فرہنگ انجمن آرائے ناصری، برہان قاطع، ہفت قلزم، منتہی الادب، صراح، موید الفضلا، کشف اللغات، منتخب اللغات، فرہنگ فرنگی۔

۲۷: ڈاکٹر فرید برکاتی، فرہنگ کلیات میر (مع مقدمہ وحواشی) آفسٹ پریس گورکھپور۔ یو پی ۱۹۸۸ء، ۲۹۔۳۰۔

۲۸: سعید نفیسی۔ مقدمہ برہان قاطع (مصح ڈاکٹر محمد معین) ۷۱تا۷۷۔

# انگریزی لغت نگاری کی مختصر تاریخ

مشرقی زبانوں ہی کی طرح مغرب میں بھی لُغت نگاری کے پسِ پردہ مذہب اور شاعری اہم محرکات رہے ہیں۔ تحفظ علوم دین کے لیے تدوینِ لغت کے جس نظریے کو اسلام نے ساتویں صدی عیسویں میں پیش کیا تھا اس کو تھوڑی ترمیم کے ساتھ کلیسا نے آٹھویں صدی عیسوی میں اپنایا۔ عربی میں تحریف قرآن وحدیث کا خدشہ تھا اس لئے زبان کے سلسلے میں خاص احتیاط سے کام لیا گیا لیکن یورپی لغت نگاری کا اوّلین مقصد مذہبی کتب کی تفہیم تھا۔ انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں یک لسانی لغات عرصہ بعد رائج ہوگئیں، ابتدا میں لاطینی زبان ہی مذہبی اور لسانی سرگرمیوں کا محور تھی۔ کیونکہ اس زبان میں عیسائیت سے متعلق مذہبی کتب کی کثیر تعداد موجود تھی اس لئے انگریزی زبان میں لغت نگاری کا اہم رول رہا۔

انگریزی میں لغت نگاری بحیثیت ایک علم کے سامنے نہیں آئی بلکہ بعض تاریخی، نظریاتی اور کسی حد تک لسانی ضروریات کے طور پر اُبھری۔ چنانچہ انگریزی لغت نگاری کے اولین نقوش اُن لاطینی مخطوطات میں ملتے ہیں جن کی سطروں کے درمیان پڑھنے والوں نے مشکل الفاظ کے انگریزی مترادفات لکھے تھے۔ پرنٹنگ پریس کی ایجاد ابھی نہیں ہوئی تھی اس لئے کتابوں کی تعداد بھی مختصر تھی اور ایک کُتب خانے سے دوسرے کتب خانے تک کتابوں کے

لین دین کا سلسلہ موجود تھا۔ نتیجے کے طور پر مختلف مخطوطات کی مدد سے مشکل الفاظ کی فہرستیں تیار ہونے لگیں[۱] اور کتابوں کے مطالعے کے ساتھ ساتھ نئی فہرستیں (glossories) بھی بنتی گئیں اور ان میں آہستہ آہستہ الفاظ کا اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۶ویں صدی کے ایسے لاطینی مخطوطات اب بھی موجود ہیں جن کے ساتھ الفاظ کی فہرستیں شامل ہیں[۲]۔ چونکہ یہ حاشیائی فرہنگیں (Interliner Glossories) ادبی نوعیت کی کم اور مذہبی نوعیت کی زیادہ تھیں اس لیے جو فرہنگیں مرتب ہوتی گئیں ان میں الفاظ کو کلیسا کے نکتۂ نظر سے موضوعات میں تقسیم کیا گیا جس طرح عربی فرہنگوں میں موضوعات کا دارومدار اسلامی نظریہ پر تھا۔ یہ فرہنگیں خدا، جنت، فرشتے وغیرہ موضوعات پر مشتمل تھیں۔ پہلی مفصل موضوعاتی فرہنگ پادری الفرک اُباٹ (Aelfric Abot)[۳] نے تحریر کی تھی جس میں نہ صرف لاطینی زبان کے مشکل الفاظ اور ان کے انگریزی مترادفات درج تھے بلکہ یہ دولسانی قواعد کی حیثیت کی بھی حامل تھی۔ مزید برآں اس میں نوآموز پادریوں کے لیے مذہبی رسوم وآداب کے اصول درج تھے۔ اس فہرست الفاظ میں اسی طرح وسطی عہد کے عیسائی سماج کی تصویر کشی کی گئی ہے جس طرح ابتدائی عربی فرہنگوں میں اپنے عہد کے اسلامی سماج کی تصویر ملتی ہے۔ اس کے مذہبی حصے میں خدا، جنت، چاند، زمین وغیرہ شامل ہیں اور انسانیات کے حصے میں مرد، عورت وغیرہ موضوعات پر الفاظ درج کیے گئے ہیں[۴]۔ ہر چند کہ یہ فرہنگیں موضوعاتی تھیں پھر بھی ان میں بعض الفابیائی عناصر موجود تھے۔ Tom Mc Arthur[۵] کے مطابق ان میں زبردست انتشار ملتا ہے کیونکہ یہ نہ کلی طور پر الفابیائی تھیں اور نہ

موضوعاتی۔ ان کی ترتیب نہ کلی طور پر اُفقی (Horizental) تھی اور نہ عمودی (Vertical) ۔ یہ نہ کلی طور پر یک لسانی تھیں اور نہ دولسانی۔ Arthur[۶] نے ہی البتہ بازنطینی لغت نگار سیودس (Suidas) کا تذکرہ کیا ہے جس کی فرہنگ "Lexicon" قاموسی طرز کی کسی حد تک مربوط فرہنگ تھی۔ یورپی نشاۃ الثانیہ[۷] (Renaissance) تک صرف لاطینی۔ انگریزی فرہنگ مصطلحات کا زمانہ تھا اور اس کے بعد انگریزی۔ لاطینی فرہنگوں کی ابتدا ہوئی۔ یہاں بھی مقصد وہی تھا یعنی لاطینی زبان وادب پر عبور حاصل کرنا۔ البتہ یہاں پر عبور حاصل کرنا اس لیے مقصود تھا تاکہ کلاسیکی ادب کو فروغ مل سکے۔ اس طرح الفاظ کی تعداد طویل ہونے لگی اور نتیجتاً مشکل الفاظ کی فرہنگیں بھی طول پکڑنے لگیں یہاں تک کہ ان میں لفظ کا حصول خاصا مشکل اور پیچیدہ بن گیا۔ پندرھویں صدی عیسوی میں پرنٹنگ پریس کی ایجاد نے کتابوں کی تعداد میں مزید اضافہ کیا۔ لیکن اس ایجاد کے تقریباً سو سال بعد تک کوئی بھی فرہنگ شائع نہ ہوئی اور آخر پر ۱۵۵۳ء میں پہلی دولسانی (انگریزی۔ لاطینی) فرہنگ Shorte Dictionariec for younge Beggners" شائع ہوگئی[۸]۔ یہ فرہنگ موضوعاتی ہونے کے باوجود بقول جیکسن (Jackson)[۹] انگریزی میں لغت نگاری کی باقاعدہ ابتدا کرتی ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد قدیم کلاسیکی زبانوں کے ساتھ ساتھ جدید زبانوں کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی اور دولسانی فرہنگوں کے ساتھ ساتھ کثیر لسانی فرہنگوں کی اشاعت بھی ہونے لگی۔ ان میں فلوریو (Florio) کی اطالوی۔ انگریزی فرہنگ "A word of words"

۱۵۸۱ء میں، رانڈل (Randle) کی فرانسیسی۔انگریزی فرہنگ "A Dictionarie of French & English Tongues" ۱۶۱۱ء میں اور جان کنشوی (John Kinshiai) کی کثیر لسانی فرہنگ "Ductorin Linguas - The Guide into Tongues" ۱۶۱۷ء میں شائع ہوئیں [۱۰]۔ لیکن جس فرہنگ سے مابعد کے لغت نگاروں نے بڑی حد تک خوشہ چینی کی وہ ہے جونیس (Hardianus Januis) کی کثیر لسانی فرہنگ "Nomanslatore Omnium Rerum" جس میں لاطینی، یونانی، فرانسیسی اور انگریزی الفاظ کے مترادفات درج ہیں۔ اس فرہنگ کی ۱۵۶۷ء میں اشاعت ہوئی اور اسی کے ساتھ تکنیکی لغت نگاری کی ابتدا بھی ہوئی [۱۱]۔

جیسا کہ پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ابتدائی حواشی اور فرہنگیں جزواً موضوعاتی اور جزواً الفابیائی ترتیب میں لکھی جاتی تھیں۔ مختلف موضوعات کو لفظ کے پہلے حرف کے حوالے سے لغت میں درج کیا جاتا تھا۔ اس طرح لفظ کی تلاش میں وقت کا زیاں ہوتا تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی کی فرہنگوں میں لفظ کا دوسرا حرف بھی ترتیب میں شامل ہوا اور دسویں صدی میں تیسرا حرف [۱۲]۔ اس طرح اٹکل سے پڑھنے سے الفابیائی طریقے تک پہنچنے میں کئی صدیاں لگ گئیں۔ یہاں تک مکمل الفابیائی ترتیب میں رچرڈ ہولائٹ (Richard Houloet) کی انگریزی۔لاطینی لغت "The Abcedarium Anglo Latinim" ۱۵۵۲ء میں طبع ہوئی جو کسی لاطینی۔انگریزی لغت کو نئے سرے سے مرتب کر کے تیار کی گئی تھی [۱۳]۔

سولہویں صدی عیسوی کے اواخر تک یا تو لاطینی اور دوسری زبانوں کے الفاظ کی تفہیم مقصود تھی یا کلاسیکی یونانی، لاطینی، فرانسیسی ادب پر عبور حاصل کرنا مدّعا تھا، اس لیے دولسانی اور کثیر لسانی لغات سامنے آگئیں لیکن انگریزی کی یک لسانی لغت تالیف کرنے کا سہرا رابرٹ کاوڈرے (Robert Cowdrey)[۱۴] کے سر جاتا ہے۔ کاوڈرے کی لغت "A Table Alphebatical" ۱۶۰۴ء میں لندن میں شائع ہوئی۔ یہ لغت الفابیائی ترتیب میں تھی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کی تالیف کا مقصد انگریزی کے غیر مانوس اور مشکل الفاظ کی وضاحت تھی جن کے مآخذ لاطینی، یونانی، عبرانی اور فرانسیسی زبانیں ہیں۔ کاوڈرے کی نظر میں یہ لغت خواتین اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کے لئے مشکل الفاظ کی تفہیم میں مددگار ہے[۱۵]۔ یہ لغت زبان کے ذخیرۂ الفاظ کا احاطہ کرنے میں ناکام ہوئی کیونکہ اس میں تین ہزار سے بھی کم الفاظ شامل ہیں[۱۶]، جبکہ اُس زمانے کی انگریزی۔ لاطینی لغات میں بیس ہزار سے زائد الفاظ درج ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ Osselton نے اسے تکنیک کے لحاظ سے اپنے زمانے سے آگے کی اور سرمایۂ الفاظ کے اعتبار سے اپنے زمانے سے قبل کی چیز گردانا ہے[۱۷]۔ لیکن اس لُغت نے نہ صرف انگریزی میں یک لسانی لغت نگاری کی طرف ایک مثبت قدم اٹھایا بلکہ اس نے دخیل الفاظ کی نشاندہی بھی کی جس کی بنا پر اسے انگریزی کی پہلی مآخذاتی لغت (Etymological Dictionary) قرار دیا جاسکتا ہے۔ مزید برآں اس میں الفاظ کی نشاندہی کے لیے مخففات (Abbravations) کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً یونانی (Greek) کے

لیے 'g' یا 'gr' اور فرانسیسی کے 'f' کی علامات استعمال کی گئی ہیں۔ کاوڈرے کی لغت کے ساتھ ہی دقیق الفاظ والی لغات (Hard word Dictionaries) کی روایت کی شروعات ہوئی اور اسی روایت کی تقلید میں بیسیوں ایسی لغات منظر عام پر آ گئیں جن میں بلکر (Bullker) کی ۱۶۱۶ء کی "An English Expositor" اوکرم (Ockerm) کی ۱۶۲۳ء میں شائع شدہ لغت "The English Dictionarie" تھامس بلاونٹ (Thomus Bloint) کی ۱۶۵۶ء میں شائع شدہ لغت "Glossographia" اور ۱۶۵۸ء میں ایڈورڈ فلپ (Edword Philip) کی "New world of English words" خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بلاونٹ نے اپنی دقیق الفاظ والی لغت کے بارے میں کہا کہ یہ ''زیادہ جاننے والی خواتین اور کم جاننے والے مردوں کے لیے مخصوص ہے''۔[18]

دقیق الفاظ والی لغات کا زمانہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک برقرار رہا۔ لغت نگاری کے اس ابتدائی دور میں لغت کا تفاعل اُس کتاب کا تھا جو اپنے استعمال کنندگان کو ان الفاظ کی تفہیم میں مدد دے جن سے ان کا واسطہ پہلی بار پڑا ہو، اور یہ ضرورت کاوڈرے کی روایت سے پوری طرح حاصل ہوتی تھی۔ لیکن جو الفاظ پہلے پہل نئے نئے زبان میں داخل ہونے کی وجہ سے مشکل سمجھے جاتے تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ عام استعمال کی زبان میں جگہ پانے لگے اور اب انہیں مشکل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان الفاظ کے ساتھ ساتھ دیگر عام الفاظ کو درج لغت کرنے کی ضرورت اٹھارہویں صدی کے

اوائل سے ہی محسوس کی جانے لگی۔ ۱۷۰۲ء میں جان کیرسی (John Kersery) نے "A New English Dictionary" کی لغت[19] عام استعمال کے الفاظ کو کسی حد تک شامل کر کے زبان کی نمائندگی کرنے والی مبسوط لغات کی ابتدا کی۔ کیرسی نے اپنی لغت میں تعین الفاظ کے بارے میں جو نظریہ قائم کیا تھا وہ یوں ہے۔

".....A complete collection of the most proper and significant words commonly used in the language"[20]

یہاں پر Proper بمعنی اصلی، مخصوص، شائستہ، مناسب اور Significant بمعنی اہم، بامعنی، وقیع اور Common بمعنی عام، خصوصی توجہ کے متقاضی ہیں۔ ان ہی الفاظ کے تناظر میں[21] Haywood نے J.K کے بیان کا جائزہ لے کر یہ کلیّہ پیش کیا کہ کیرسیؔ کی لغت سے لغت نگاری کے تفاعل میں تبدیلی آئی۔ یعنی اب لغت کا کام الفاظ کے انتخاب میں ذوق جمیل کی رہبری کرنا قرار پایا گیا۔ یہاں سے لغت نگاری کا دوسرا دور شروع ہو گیا جس میں لغت میں عام الفاظ مثلاً book, cat یا stone درج ہونے لگے لیکن شائستگی اور اخلاقی معیار کو فوقیت دی جانے لگی۔ اس لیے لفظ کے اندراج کے لیے یہ شرط رکھی گئی اسے بہتر اسلوب میں منصف مزاج مصنف نے استعمال کیا ہو۔ گویا کہ عامیانہ، سوقیانہ اور فحش الفاظ کے لیے لغت میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ پھر بھی اس دور سے ذرا پہلے ایک ایسی لغت ملتی ہے جس میں بدمعاشوں اور ادنیٰ طبقے کے الفاظ (Slang) بھی شامل کیے گئے تھے۔

یہ تھی "Elisha Colesdrily" کی "English Dictionary" جو ۱۶۷۶ء میں شائع ہوئی تھی [۲۲]۔ الیشا نے ایسے الفاظ کسی لسانی اصول کی بنا پر نہیں بلکہ اس لیے شامل کیے تھے کہ لغت کے استعمال کنندگان جرائم پیشہ لوگوں کی (خُفیہ) زبان سے واقف ہوسکیں تا کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو پائیں۔ اس لیے یہ لغت بھی اسی اخلاقی معیار کی ایک کڑی تھی جو کہ اس عہد کا خاصہ تھا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیرسؔی (J.K) کو ہی عام الفاظ (بہ استثنائے عامیانہ وسوقیانہ) کے لغت میں شامل کرنے میں اولیت ہے۔ حالانکہ نیتھنل بیلی Nathaniel Baily کی شہرت کی وجہ سے کیرسی پس منظر میں چلا گیا تھا اور بیلی بھی بذات خود ڈاکٹر جانسن اور نوح ویبسٹر کی بناء پر پس منظر میں گیا، جبکہ جدید لغت نگاری کے حوالے سے کیرسؔی اور اسکے بعد بیلی ہادی کا درجہ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر سیموئل جانسن کی لغت "Dictionary of English Language" کی ۱۷۵۵ء کی اشاعت کو اگر چہ جدید لغت نگاری کی ابتدا سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن محققین کی نظر میں یہ اعزاز دراصل نیتھنل بیلی کی "A universal Etymological Dictionary of English Language" کو حاصل ہے، جو ۱۷۲۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ ایسی لغت ہے جس میں اشتقاق کے ساتھ ساتھ حوالہ جات بھی ملتے ہیں۔ مزید اس میں تلّفظ کی صراحت بھی کی گئی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک جانسؔن کی مبسوط لغت کی بنیاد بیلی کی ماخذاتی لغت پر ہی رکھی گئی تھی [۲۳]۔ بیلی کی لغت اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں الفاظ کی کثیر تعداد یعنی چالیس ہزار درج

ہے، جبکہ بعد میں بیلی نے اپنی دوسری لغت "Dictionariam Britanicum" میں تعدادِ الفاظ میں اضافہ کر کے اس کو اسّی ہزار تک بڑھا دیا[۲۴]۔ لیکن بیلی کی شہرت اور کامیابی کی ضامن اس کی پہلی ماخذاتی لغت ہے جس کے اسّی برسوں میں تیس ایڈیشن شائع ہو گئے۔ کیرسی اور بیلی کی لغات دراصل ان لسانی سرگرمیوں کے ردِ عمل میں وجود میں آ گئیں جو فرانس میں اکادمیہ فرانسیسیہ کی تشکیل اور نتیجے کے طور پر ویگلز (Vaugelas) کی لغت کی اشاعت کی شکل میں سامنے آ گئیں[۲۵]۔ اس اکادمی کا مدّعا فرانس کے لیے قومی زبان کی تشکیل تھا۔ ہر چند کہ یہ نظریہ اس لغت کے شائع ہونے کے بعد کلی طور پر بدل گیا لیکن بقول آرتھر (Tom MC Arthur)[۲۶] یہ صحیح معنوں میں قومی کام تھا جس کی بنا پر فرانسیسی زبان کا شمار دنیا کی متمدن زبانوں میں ہونے لگا۔ چنانچہ لاطینی زبان کی جانشینی کے لیے ایک طرف اہلِ فرانس تگ و دو کر رہے تھے جو کہ ویگلز کی لغت کی شکل میں منظرِ عام پر آئی اور دوسری طرف انگریزی اہلِ قلم اس کے لئے کوششیں کرنے لگے جن کے نتیجے کے طور پر ۱۶۶۴ء میں رائل سوسائٹی آف لندن کا قیام عمل میں آیا[۲۷]۔ ہر چند کہ اس سوسائٹی کا سارا زور سائنس، فلسفہ اور دیگر علوم پر تھا پھر بھی اس نے لاطینی اور فرانسیسی کے مقابلے میں انگریزی کی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے زبان کی ترویج کے لیے ایک قلیل المدتی کمیٹی کا قیام عمل میں لایا جس نے ویگلز کی لغت کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے انگریزی کے لیے بھی اسی قسم کی لغت کی سفارش کی۔ لیکن ایسی لغت نہ اس سوسائٹی نے ترتیب دی اور نہ ہی کسی دوسرے ادارے نے، البتہ کیرسی اور بیلی کی لغات ان ہی کوششوں کی کڑیاں

تھیں کہ انگریزی کو ایک آفاقی زبان بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لغات میں ویگلز کی طرز پر اشتقاق، املا، ارکان تہجی کی ترتیب و تقسیم اور تلفّظ کے ساتھ ساتھ حوالہ جات بھی شامل کیے گئے۔

بیلی کی لغت کی اشاعت کے ساتھ ہی انگریزی لغت نگاری کے ایک اہم دور کا خاتمہ ہو گیا لیکن ایک قومی زبان کی تشکیل اور معیار پسندی کے نظریے نے جڑ پکڑ لیے۔ اسی معیار پسندی کے نتیجے میں جدید انگریزی لغت نگاری کے باوا آدم ڈاکٹر سیموئل جانسن (Dr. Somuel Johnson) کی شہرہ آفاق لغت "Dictionary of the English Language" ۱۷۵۵ء میں شائع ہوگئی [۲۸]۔ اگرچہ جانسن نے اپنی لغت کی بنیاد بیلی کی ماخذاتی لغت پر رکھی تھی پھر بھی اس کو صرف تسلسل کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے کیونکہ جانسن کی لغت زیادہ توضیحی انداز کی حامل ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جانسن کی لغت میں اندراجات کی تعداد اس کے پیش رو بیلی کے مقابلے میں قلیل ہے لیکن اس میں لفظ کے مختلف سیاقی استعمالات اور ان کی بسیط اور جامع وضاحت ملتی ہے۔ جانسن کا اصل مقصد ادب کے ذریعے زبان کو زندہ رکھنا اور اس کی تطہیر تھا تاکہ زبان کے معاملے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معیار ترتیب دیے جائیں۔ اپنے منصوبہ لغت "The plan of a dictionary of the English Language" میں جو کہ ۱۷۴۶ء میں شائع ہوا تھا، میں ڈاکٹر جانسن نے کھلے لفظوں میں دوسری زبانوں (مثلاً فرانسیسی) کے مقابلے میں انگریزی کی کم تری [۲۹] کو مان کر اس کے لیے معیارات ترتیب دینے کا دعویٰ کیا جو کہ بعد میں اُس نے اپنی "خوش

فہمی''، تسلیم کر کے ترک کیا تھا۔ جانسن اپنے منصوبے میں رقمطراز ہے۔

"The chief of it to preserve the purity and assertion of meaning of our English idiom... a dictionary by which the pronunciation of our language may be fixed, and its attainment facilitated by which may be preseved its use assertained and its duration lengthened".[۳۰]

معیار بندی کے اسی خیال کی بنا پر جانسن نے تلفظ، املا اور دیگر معیارات کے لیے مستند اور معتبر مصنفین کے شاہکاروں سے حوالہ جات اور اسناد لینے کا بھی دعویٰ کیا لیکن اپنی لغت کے دیباچے میں اُس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ معیار کی بات کرنا اور تبدیلی کے لیے دروازے بند کرنا دراصل اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور خوش فہمی میں مبتلا رکھنے کے مترادف ہے کیونکہ تبدیلی کو روکنا منطق اور تجربہ کے عین برعکس ہے۔ اپنی لغت کے دیباچے میں جانسن لکھتا ہے۔

"....I will confess that I flattered myself for a while, but now being to fear that I have indulged expectation which neither reason nor experience can justify".[۳۱]

اگر چہ ڈاکٹر جانسن کی لغت میں بہت سی خامیاں بھی ہیں، (مثلاً ہجا کے

معیارات مقرر کرتے ہوئے اس نے لفظ کی مختلف ہجائی صورتوں کی نشاندہی تو کی لیکن وہ ان میں سے ترجیح مقرر نہ کر سکا جس کو بیری (T.E. Berry) نے غیر منطقی مشکلات میں اضافہ گردانا ہے[۳۲]، پھر بھی اس کو انگریزی لغت نگاری میں سنگ میل کی حیثیت ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسی کے ساتھ یہ کلیہ بھی قائم ہوا کہ لغت زبان میں استناد کا درجہ رکھتی ہے جو آج تک برقرار ہے، ہر چند کہ جانسن کا تطہیر لسان کا مفروضہ برقرار نہ رہ سکا جس کے ڈانڈے اطالوی نظریہ معیار کے ساتھ ملتے ہیں جو وہاں اب تک جاری وساری ہے[۳۳]۔

سیموئل جانسن کی لغت کی تنقید میں جہاں یہ کہا گیا کہ اُس نے انگریزی لغت نگاری کو رفعتوں تک پہنچا دیا وہیں یہ بھی کہا گیا کہ اس کا کام دور جدید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے تمام لغت نگاروں کو پیچھے دھکیل دیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کی لغت غیر تسلی بخش اور مضحکہ خیز ہے[۳۴]۔ جانسن کے معترضین میں اُسکا امریکی حریف نوح ویبسٹر (Noah Webster) پیش پیش ہے جس نے جانسن پر مندرجہ ذیل سات اعتراضات اٹھائے ہیں۔

۱۔ لاطینی مآخذات قدیم فرہنگ نویسوں سے لیے گئے ہیں۔

۲۔ غیر منصفانہ طریقے پر غیر معیاری مصنفین (inkpot writess) کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۳۔ ایک طرف معیارات کی گئی ہے بات کی اور دوسری طرف سوقیانہ الفاظ شامل گیے۔

۴۔ لفظ کی مختلف معنوی پرتوں میں امتیاز نہیں کیا گیا۔

۵۔ نزدیکی مترادفات کے امتیاز میں ناکامی ہوئی۔

۶۔ حوالہ جات سے معنی کی مکمل وضاحت نہیں ہوتی۔ اور

۷۔ مآخذات کی نشاندہی ناکتفی اور غیر تسلی بخش ہے[۳۵]۔

لیکن ان اعتراضات (حالانکہ ان میں سے کچھ عصر حاضر میں لغت کی کامیابی مانے جاتے ہیں مثلاً ہر قسم کے الفاظ کی شمولیت وغیرہ) کے باوجود ویبسٹر کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ جانسن کے نظریات کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے اور سیموئل جانسن کو علم لسان میں وہی رتبہ حاصل ہے جو نیوٹن کو ریاضی میں ہے[۳۶]۔ یہی وجہ ہے کہ جانسن کی طرز پر نوح ویبسٹر[۳۷] نے امریکی انگریزی میں معیارات قائم کرنے کے لیے اور اس کو برطانوی انگریزی سے جدا کرنے کے لئے ۱۸۲۸ء میں "American Dictionary of the English Language" لکھی۔ جہاں جانسن نے برطانوی مصنفین کے حوالہ جات دیے تھے وہیں ویبسٹر نے امریکی اساتذہ کی کتب سے شواہد واسناد لیے۔ گویا کہ اس نے اپنی لغت جانسن کے تتبع میں لکھی۔ ویبسٹر کی لغت کا تیسرا ایڈیشن شائع ہونے کے ساتھ ہی اس کے نام سے "American" کاٹ کر "International" لکھا گیا۔ اس طرح اب یہ "Webester's Third new international dictionary" کے نام سے مشہور ہے۔

**ویبسٹر** کی لغت کے پس پردہ لسانی عوامل کے ساتھ ساتھ سیاسی عوامل بھی کارفرما تھے۔ امریکہ کی جنگ آزادی سے کچھ عرصہ قبل ہی علاقائیت

اور امریکہ کی تطہیرِ لسان کے حوالے سے "Royal American Magazine" رسالے میں کسی صاحب (An American) نے لکھا کہ ''صرف ایک صدی میں برطانوی انگریزی نے ترقی کی اور تکمیل کے مراحل تک پہنچ گئی لیکن روشنی اور منطق کی اس سرزمین میں (امریکہ میں) حقیقت اس کے برعکس ہے''[۳۹]۔ اس لئے اس نے زبان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانے کی کوشش کی طرف توجہ دلائی اور ایک ادارہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن اس سلسلے میں بھی فردہی نے ادارے کا کام انجام دیا اور لغت کی صورت میں تطہیرِ لسان اور معیار بندی کی طرف انقلابی اقدامات اٹھائے۔

**ویبسٹر** لغت کے تیسرے ایڈیشن کے مدیر فلپ۔بی۔گوو (Philip-B - Gove) نے نہ صرف **ویبسٹر** لغت میں لفظ کے سیاقی استعمال کے تفاعل اور مبسوط وضاحت کی روایت برقرار رکھی بلکہ اس میں مزید حوالہ جات شامل کیے۔ ''ویبسٹر ۳'' میں ساڑھے چار ملین اسناد کا اضافہ کر کے اس نے ان کی تعداد دس ملین تک پہنچا دی[۴۰]۔ ہر چند کہ مابعد کی **ویبسٹر** لغات میں معیار بندی کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا لیکن ان کے لیے جو تین اہم مقاصد بیان کئے گئے ہیں وہ ہیں (۱) صحت (Accuracy) (۲) صراحت (Clearness) (۳) جامعیت (Comprehensiveness)۔ ان میں بھی صحت کو اولیت دی گئی ہے جو کہ سیاق کی رو سے ظاہر ہوسکتی ہے اور جس سے درست معنی کی تفہیم میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ ''**ویبسٹر** ۳'' اس لیے تنقید کا نشانہ بن گئی کہ اس میں **ویبسٹر** روایات کے برعکس عامیانہ اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں اور معیار بندی اس میں نظر

نہیں آتی۔ بعض لوگوں نے دبے لفظوں میں یہ رائے ظاہر کی کہ اگر کسی لفظ یا معنی کو تعلیم یافتہ طبقے کی زبان میں جگہ نہیں تو اس کی جگہ لغت میں بھی نہیں ہونی چاہیے۔[۴۱] یہ لغت اس لیے بھی ہدفِ ملامت بن گئی کہ حوالہ جات کے سلسلے میں اساتذہ اور عام مصنفین میں امتیاز نہیں برتا گیا۔ لیکن گوو (Gove) نے کسی لگی لپٹی کے بغیر "**ویبسٹر ۳**" کے دیباچے میں یہ اعلان کیا کہ اس کا مقصد یہ نہیں کہ لفظ معنی یا استعمال کیا ہونا چاہیے بلکہ یہ کہ لفظ، معنی، تلفظ اور استعمال وغیرہ کیا ہے۔ اس لیے انگریزی کی جامع اور مبسوط لغت ہونے کے ناطے اسناد و شواہد کے سلسلے میں کتابوں، رسالوں، اخبارات، کتابچوں اور دیگر مواد سے استفادہ کیا گیا ہے۔[۴۲]

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ لغت نگاری کا ایک اور دور جو انیسویں صدی کے وسط میں ختم ہوا زبردست لسانی سرگرمیوں کا عہد تھا۔ اس عہد میں یہ کلیہ قائم ہوا کہ لغت زبان کا عملی ریکارڈ اور استناد کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس دوران جو طریقہ سب سے زیادہ مقبول ہوا وہ تھا استقرائی طریقہ (inductive method) یعنی لفظ کا اندراج اس کی مآخذاتی بنیادوں پر کیا جائے اور تکنیکی زبان کے برعکس ادب پاروں سے اس کے سیاقی استعمال کے لیے اسناد لی جائیں۔ لیکن اس میں یک زمانی (Synchronic) استعمالات کو ترجیح دی گئی تاکہ زبان کی وضاحت مرّوجہ استعمال کے مطابق کی جائے۔ اس یک زبانی تفاعل نے آگے چل کر تاریخی لغت نگاری (chronological) کے لیے راہ ہموار کی حالانکہ ڈاکٹر جانسن نے بھی یہ ضرورت محسوس کی تھی کہ لفظ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ زبان میں کب آیا

اور متروک الفاظ کے زمانۂ ترک کے بارے میں بھی وضاحت کی جائے[۴۳]۔
لیکن جانسن تاریخی لغت نگاری کے بارے میں پُر امید نہیں تھا اور اس کو مشکل جان کر ترک کیا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں چارلس رچرڈسن[۴۴] (Charles Richardson) نے "New Dictionary of English Language" شائع کر کے جانسن کے کام کو دو قدم آگے بڑھا کر اسے تاریخی لغت نگاری سے قریب تر کر دیا۔ رچرڈسن کی نظر میں لفظ کی تفہیم کے لیے کسی قسم کی وضاحت کی ضرورت نہیں بلکہ شواہد و اسناد ہی اس کی تفہیم میں (سیاق سمیت) مدد دے سکتی ہیں۔ لیکن یہاں بھی ''بہترین مصنفین'' کی قید رکھی گئی۔ مزید یہ کہ اسناد کو تاریخی ترتیب سے رکھا گیا جو انگریزی زبان کے وسطی دور سے شروع ہوتا ہے اور ان اسناد کے ذریعے معنیاتی تبدیلیوں کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ چونکہ تاریخی لغت نگاری فردِ واحد کے بس کی بات نہیں اس لیے رچرڈسن کو بھی جانسن کی طرح کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی، البتہ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری (OED) کے جیمس مرے (تفصیل آگے ہے) نے رچرڈسن کے طریقہ کار کو یہ کہہ کر سراہا کہ یہ ''اصول کے اعتبار سے پختہ اور عمل کے اعتبار سے دلچسپ ہے''[۴۵]۔
جانسن اور رچرڈسن نے انگریزی کے لیے تاریخی لغت نگاری کی ضرورت محسوس کی اور مقدور کے مطابق اس پر عمل بھی کیا۔ لیکن اس عظیم کام کو[۴۶] آکسفورڈ انگلش ڈکشنری "Oxford English Dictionary" کی شکل میں انیسویں صدی میں دیکھا گیا۔

۱۸۴۲ء میں لندن میں فلالوجیکل سوسائٹی (Philological

(Society کا قیام اس لیے عمل میں آیا تا کہ انگریزی زبان کی ساختیاتی ترتیب کی تاریخ مرتب کی جا سکے اس کے لیے برطانوی لغت نگاروں جانسن اور رچرڈسن اور امریکی لغت نگار **ویبسٹر** کی لغات میں غیر اندراج شدہ الفاظ کے اندراج کے واسطے ضمیمہ مرتب کرنے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ اس سلسلے میں سوسائٹی کے سامنے رچرڈ چونوِز ٹرنچ (Richard Chenevix Trench) نے دو مقالات پڑھے جن کا موضوع تھا "On some deficienceis in our English Dictionaries"۔ ان مقالات میں اس نے واضح کر دیا کہ لغت فہرست الفاظ ہے نہ کہ اچھے الفاظ کا انتخاب۔ اس طرح لغت نگار مورخ ہے نہ کہ نقاد اور مصلح اخلاق۔ اس لیے لغت کا دروازہ ہر قسم کے الفاظ یعنی اعلیٰ، ادنیٰ، اچھے، بُرے، فائدہ مند اور غیر فائدہ مند کے لیے کھلا رہنا چاہیے کیونکہ ان میں سے ہر قسم کو "کہیں پر"، "کسی نے"، اور "کسی مقصد" کی خاطر استعمال میں لایا ہے۔ لہٰذا لغت نگار کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی ترجیحات کو بالائے طاق رکھ کر ہر قسم کے الفاظ کا اندراج (اپنی قسم کی نشاندہی کے ساتھ) کرے[۴۷]۔ اُس وقت تک کی لغات پر تبصرہ کرتے ہوئے ٹرنچ نے ان عناصر کی نشاندہی کی جن سے نبرد آزمانے ہونے میں یہ لغات ناکام ہوئیں۔ یہ ہیں:

(۱) متروک الفاظ (۲) مآخذات (۳) مخصوص تاریخی حوالہ جات (۴) لفظ کے ضروری مفاہیم (۵) مترادفات کا امتیاز (۶) دردست ادبی وسائل کا احاطہ اور (۷) حشو وزائد مواد کا اخراج۔

ٹرنچ کے خطبات کے تناظر میں فلالوجیکل سوسائٹی کو ضمیمہ کا خیال نامکتفی

دِکھائی دینے لگا۔ اس لیے اس نے ۱۸۵۸ء میں "A new dictionary of english language" ترتیب دینے کا فیصلہ کیا جس میں ۱۰۰۰ء کے بعد کے انگریزی الفاظ کو ان کی تاریخ سمیت درج کیا جائے اور آئندہ بیس سال کا وقت مقرر کر کے اس کام کو ہربٹ کولرج (Herbet Coloridge) اور فرنیوال (Furnival) کے سپرد کیا گیا۔ لیکن تھوڑی مدت کے بعد اس میں تعطل آ گیا۔ بعد میں ۱۸۷۸ء میں جیمس مری (James Murry) کی سربراہی میں چھ نفری کمیٹی مقرر کی گئی جس میں چار برطانیہ اور دو اسکاٹ لینڈ[۴۸] سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دوران ۱۹۱۵ء میں مری کی وفات ہوئی جبکہ ۱۸۸۴ء میں اس کی پہلی جلد منظر عام پر آ گئی تھی اور ۱۹۲۸ء تک اس کی دس ضخیم جلدیں منظر عام پر آ گئیں۔ اسی دوران یعنی ۱۸۹۵ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کا نام تبدیل کر کے "Oxford English Dictionary" رکھ دیا۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں کس قدر وقت اور محنت صرف ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی تیاری سے لے کر آخری جلد تک پوری دنیا سے دو ہزار لوگوں نے پانچ ملین حوالہ جات ارسال کیے جن میں سے دو ملین حوالے اس میں بروئے کار لائے گئے۔ ۴۱۴،۸۲۵ / الفاظ کی ۱۵،۴۸۷ سہ کالمی صفحات میں وضاحت کی گئی[۴۹]۔ ان الفاظ میں سے ۲۴۰،۱۶۵ / اس الفاظ (Main words) اور ۶۷،۱۰۵ ذیلی الفاظ (Subordinate words) ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۸۲،۳۰۶ مرکبات بھی اس میں شامل ہیں[۵۰]۔

OED نہ صرف ماضی کی تاریخ کا علمی ریکارڈ ہے بلکہ حال میں ہونے والے مغیاتی، ہیئتی اور دیگر تغیرات پر بھی یہ پوری طرح نظر رکھے ہوئے۔ اس لئے اس کو غیر اختتام پذیر لغت (Unendable Dictionary) کہا جاتا ہے۔ ۱۹۸۲ء تک اس کی دس جلدیں منظر عام پر آنے کے بعد ۱۹۳۳ء میں اسکا پہلا ضمیمہ شائع ہوا اور ۱۹۷۲ء میں دوسرے ضمیمے کی پہلی جلد کی اشاعت ہوئی [۵۱] جس میں A سے G تک کے اندراجات ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں H سے N تک اور ۱۹۸۲ء میں O سے Sez تک الفاظ شامل کیے گئے ہیں۔ زیر طبع ضمیمے کا مقصد ۱۹۳۳ء سے لے کر اب تک الفاظ میں ہوئے تغیرات کی نشاندہی کرنا ہے۔ اب تک ضمیموں کی جو جلدیں شائع ہوئی ہیں ان میں پچاس ہزار راس الفاظ شامل ہیں جن کو اسّی ہزار ذیلی مفاہیم میں منقسم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بیالیس ہزار مرکبات اور چار لاکھ حوالہ جات بھی موجود ہیں [۵۲]۔

حال بحث یہ ہے کہ انگریزی لغت نگاری کے مقاصد اور تکنیک زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے۔ کاوڑرے کے عہد میں مقصد لاطینی اور بعد میں انگریزی میں دخیل الفاظ کی تفہیم تھا اور اس کو ایک نظریاتی (کلیسا کے) تناظر میں مختلف موضوعات میں تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد بیلی اور جانسن کے عہد میں مآخذات اور ان کے مفہوم کی تاریخ پر زور رہا اور اس وقت تک لغت نگاری نے باقاعدہ طور پر الفابیائی شکل اختیار کی۔ لیکن جانسن اور **ویبسٹر** کی لغات نے علاقائیت کو ہوا دے کر اپنے اپنے علاقوں کے مصنفین کے حوالے درج کیے۔ لیکن اس دور کا سب سے اہم رجحان معیار بندی تھا تاکہ زبان کے املا تلفظ اور دیگر لسانی تنازعات کا ایک حتمی فیصلہ کیا جا سکے جو کہ شرمندۂ تعبیر نہ

ہوسکا۔ آخر پر OED کی اشاعت ساتھ الفاظ کی تاریخ اور تغیرات کی نشاندہی لغت نگاری میں رائج ہوگئی جس نے نہ صرف انگریزی لغت نگاری کا رخ موڑ دیا بلکہ دنیا کی دیگر[۵۳] زبانوں پر بھی گہرے نقوش چھوڑ دے اور اردو میں ''اردو لغت کراچی'' بھی اسی روایت میں ترتیب دی گئی۔

❀❀❀

حواشی:

۱: The Histt; of Eng. Lang. Dictionaries N.E. Osselton مشمولہ Lexicography principles & Practice p-13

۲: ایضاً

۳: الفرک، آکسفورڈ کے نزدیک Eynsha کا رہنے والا پادری اور نثر نگار تھا۔ تاریخ پیدائش ۹۵۵ء اور وفات ۱۰۱۰ء بتائی جاتی ہے۔

۴: Words of Reference - Tom MC Arthur ۵ے

۵: ایضاً۔

۶: Allenwalker Road بحوالہ Tom-MC. Arthur

۷: دانشوروں اور علوم فنون سے تعلق رکھنے والوں کی تحریک جو اٹلی کے شہر ملارنس سے چودھویں صدی عیسوی میں شروع ہوکر ۱۷ویں صدی تک پورے یورپ میں پھیل گئی۔

۸: اس کے مصنف کا نام اور دیگر کوائف نامعلوم ہیں۔ اگرچہ اس فرہنگ کو ڈکشنری کے نام سے موسوم کیا گیا ہے لیکن اُس زمانے میں ,Lexicon, Glossory Dictionary اور Voccabularium میں ابھی تفریق نہیں ہوتی تھی۔

۹: Words & Their meaning - Howard Jackson ۱۱۲ے

۱۰: ایضاً

۱۱: Osselton ۔ ۱۴۔۱۵

۱۲: Jackson ۔ ۱۱۲

۱۳: Osselton ۔ ۱۵

۱۴: کاوڈرے Ruitland کی ایک جگہ اوکھان (Oakhan) میں شیکسپئر کے زمانے میں رہتا تھا اور پیشے کے لحاظ سے مدرّس تھا۔

۱۵: Osselton ۱۴ نیز J.A. Haywood ۱۲۰ نیز Jackson ۱۱۳۔

۱۶: Osselton کے مطابق یہ دوہزار پانچ سو (۲۵۰۰) الفاظ پر مشتمل تھی جبکہ Jackson نے اس میں شامل الفاظ کی تعداد تقریباً تین ہزار بتائی ہے۔

۱۷: Osselton۔۱۴

۱۸: Haywood۔Arabic Lexicography ۱۳۰ نیز Jackson ۱۱۳۔

۱۹: "A new English Dictionary" میں مصنف کا نام J.K لکھا ہوا ہے بعض محققین مثلاً Jackson, Arthur, Haywood وغیرہ کے خیال میں اس کا مصنف John Kersey ہی ہے کیونکہ اس کی اشاعت کے چند سال بعد یعنی ۱۷۰۸ء میں ایک اور لغت Dictionarium میں اس کا پورا نام درج ہے۔

۲۰: بحوالہ Jackson ۱۱۴ نیز Haywood۔۱۱۹

۲۱: Haywood ۱۱۹، اصل عبارت ہے۔ "To guide the taste in the choice of words"۔

۲۲: بحوالہ N.E. Osselton۔۱۷

۲۳: The study of language (An Intraduction) Thomas Epiott Berry۔۸۲

۲۴: Jackson۔۱۱۴

۲۵: اکادمی فرانسیسیہ نے ۱۶۳۵ء میں لغت کا منصوبہ بنایا جو ۵۹ سال بعد شائع ہوئی۔

۲۶: Tom. MC, Arthur ۹۵، ویگلز کے وضع کردہ اصول وقواعد آج بھی فرانسیسی لغت نگاری میں فتویٰ کا حکم رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ دورِ جدید کی مبسوط فرانسیسی لغت "Bonusage" کے مولف موریس گریویز (Maurice Grevisse) نے اپنی لغت کے ڈانڈے ویگلز سے ملاتے ہوئے فخر محسوس کیا ہے۔ "Bonusage" کا گیارہواں ایڈیشن ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔

۲۷: Arthur۔ ۹۵۔۹۶۔

۲۸: کیرسی اور بیلی کی لغات کی اشاعت اور ویگلز کی لغت کی کامیابی کو مدِ نظر رکھ کر اٹھارہویں صدی عیسوی کے چوتھے عشرے میں لندن کے کتب فروشوں کے ایک گروہ نے قومی زبان کی تشکیل کے لیے لغت سازی کا منصوبہ بنایا جس کے لیے انہوں نے مشہور ادیب اور نقاد سیموئل جانسن کی خدمات حاصل کیں اور تین برسوں کی معیاد مقرر کی۔ جانسن نے اپنے چھ معاونین کی معیت میں کام کا آغاز کیا اور بیلی کی لغت کو بنیاد بنا کر تقریباً سات سال کے عرصے میں دو جلدیں تیار کر لیں۔

۲۹: ڈاکٹر جانسن کے دوست اور سرپرست لارڈ چسٹرفیلڈ (Lord Chesterfield) کا نظریہ بھی یہی تھا کہ یہ بات انگریزوں کے لیے باعثِ شرم ہے کہ اُن کے ہاں فرانسیسیوں کی طرح قومی معیار کی کوئی لغت نہیں ہے بلکہ وہ ڈچ اور جرمنوں کی طرح فہرست ہائے الفاظ (Word Books) پر ہی اکتفا کیے ہوئے ہیں جن میں رطب ویابس کی بھرمار ہے اور جو اپنے استعمال کنندگان کی بدذوقی کی مظہر ہیں۔ Arthur نے چسٹرفیلڈ کا جو خطبہ نقل کیا ہے اس کا یہ اقتباس اس کے نظریے کی شدت کا مظہر ہے۔

"The time for discrimination is now come. Toleration adoption and naturalization have run their lengths. Good order and authority are now necessary".

۳۰: بحوالہ Jackson۔ ۱۱۵۔

۳۱: بحوالہ T.E. Berry ص۸۲۔

۳۲: ایضاً۔

۳۳: اٹلی میں نشاۃ الثانیہ کے ساتھ ہی زبان کی تطہیر کا نظریہ ۱۵۰۴ء میں Calopinus کی کثیر لسانی لغت کی شکل میں سامنے آیا۔ اٹلی کی مستند لغت Vocabulario Accademici Della Crusca ۱۶۱۲ء میں پہلی بار وینس میں شائع ہوئی جس کا تازہ ایڈیشن ۱۸۶۳ء اور ۱۹۲۳ء کے درمیان شائع ہوا آج بھی معیار بندی کے نظریات پر قائم ہے۔

۳۴: ڈاکٹر جانسن کی تحسین کرنے والوں میں جیمس مری (James Murray) اور تنقیص کرنے والوں میں Bugh اور Cable قابل ذکر ہیں۔

۳۵: بحوالہ Arthur ص۱۰۰۔

۳۶: بحوالہ Osselton ص۱۷

۳۷: نوح **ویبسٹر** (Noah Webster) (۱۷۵۸ء، ۱۸۴۳ء) سے پہلے بھی امریکی انگریزی کی چھوٹی بڑی فرہنگیں لکھی گئی تھیں۔ **ویبسٹر** نے بھی ۱۷۸۳ء میں، جب امریکہ کی جنگ آزادی اختتام کو پہنچی، ہجے کی کتاب لکھ کر امریکیت کی عملی ابتدا کی اور بعد میں قواعد اور نصابی کتابیں لکھیں جن میں امریکی قومیت کی تصویر کشی ملتی ہے۔ **ویبسٹر** کی پہلی لغت ۱۸۰۶ء میں شائع ہوئی جو کہ فرہنگ سے زیادہ کا درجہ نہیں رکھتی ہے لیکن اُس کی شہرت کی ضمانت "American Dictionary of English Language" بنی جس نے اُسے برطانوی جانسن اور فرانسیسی ویگلز کے برابر کیا۔

۳۸: **ویبسٹر** کی وفات کے بعد لغت کے حقوق G&C Marian Company نے خرید لئے اور ۱۸۹۰ء میں اس کے نام سے 'امریکن' کاٹ کر انٹرنیشنل رکھا گیا۔ اس کی پہلی انٹرنیشنل لغت ۱۹۰۹ء میں اور دوسری ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ تیسری لغت (Webaster's Third) ۱۹۶۱ء میں Philip B. Gove کی ادارت میں شائع ہوئی۔ جب سے ہر نئے ایڈیشن کے لئے

نام Webster's Third International Dictionary مخصوص ہو گیا۔

۳۹: بحوالہ Arthur ۹۸۔

۴۰: Jackson ۱۲۲

۴۱: بحوالہ Jackson ۱۴۳

۴۲: ایضاً

۴۳: بحوالہ Jackson ۱۱۸

۴۴: Arthur نے اس کا سنۂ اشاعت ۱۸۳۰ء لکھا ہے جبکہ Jackson نے ۱۸۳۶۔۳۷ء مانا ہے۔

۴۵: بحوالہ Arthur ۱۲۶۔ اصل عبارت ہے "Richardson's approach is sound in principle and intresting in practice.

۴۶: تاریخی لغت نگاری کا باوا آدم جرمنی کے عالمِ السنہ فرنز پاسو (Franz Parsoo) کو مانا جاتا ہے جس نے ۱۸۱۲ء میں تاریخی لغت کے لیے اصول وضع کیے اور بعد میں اپنی لغت بھی ان ہی اصولوں کی بنیاد پر لکھی جو ۱۸۱۹ء میں شائع ہوئی۔ اس لغت کا بنیادی اصول یہ تھا کہ حوالہ جات کو تاریخی ترتیب سے رکھا جائے تا کہ یہ سمجھ میں آ سکے کہ لفظ زبان میں تقریباً کس زمانے میں داخل ہوا اور کس وقت اس کا استعمال ترک ہوا اور اس میں کون کون سے تغیرات واقع ہوئے۔ اس لیے لفظ کی تاریخ سمجھانے والے حوالہ جات ابتدائی دور سے لے کر موجودہ زمانے تک ہوں (Arthur ۱۲۵) لیکن (R. Merkin ۱۲۴) نے اسکاٹ لینڈ کے لغت نگار جان جیمنسن (John Jamnison) کو پہلا تاریخی لغت نگار تسلیم کیا ہے جس نے ۱۸۰۸ء میں A Etymolical Dictionary of the Scottish Language لکھی۔ جیمنسن نے ہر لفظ کے مفہوم یا ذیلی مفہوم (Subsense) کی وضاحت کے لیے ایک یا دو اور کبھی تین حوالے بھی دیے۔ R. Merikin ہی کے مطابق

فرنز پارسو نے جیمنسن کے اصولوں کو جامعیت کے ساتھ اپنایا۔ البتہ جرمنی ہی کے جیکب گرم (Jacob Grim) (۱۷۸۵ء۔۱۸۸۳ء) کو صحیح معنوں میں تاریخی لغت نگاری کا موجد سمجھنا ہوگا جس نے اپنے بھائی ویلہیم گرم (Wilhelam Grim) (۱۷۸۶ء تا ۱۸۵۹ء) کی اعانت سے ۱۸۳۸ء میں اپنی لغت "Deutshes Wasturbuch" شروع کی جو کہ ۱۹۶۰ء میں مکمل ہوگئی جب گرم برادران فوت ہو چکے تھے۔

۴۷: Arthur۔ ص ۱۲۷۔

۴۸: (ا) Herbert Coleridge (ب) Fredrik Furnivall (ج) James Murry (د) Henry Bredley اور Charles Onions۔

۴۹: Arthur۔ ص ۱۳۱

۵۰: R. Merikin مشمولہ Lexicography Principles & Practice ص ۱۲۷

۵۱: بحوالہ R. Merikin ص ۱۲۷، Arthur ص ۱۳۱ نیز Jackson۔ ص ۱۲۱

۵۲: R. Merikin۔ ص ۱۲۸۔

۵۳: امریکہ کی تاریخی اصول پر لغت "A Dictionary of American English on Historical Principles" ۱۹۴۶ء۔ یو۔ ایس۔ ایس آر (روس) کی لغت "Slovor Souremennogo Russkogo Literntiurnogo Jazyka" ۱۹۶۵ء، (A Dictionary of Presant - day Literary Russian) اور ڈنمارک کی لغت "Ordbog ouer delt danske sprong" ۔ (۱۹۵۶ء) اب تک کی شائع شدہ لغات میں اہمیت رکھتی ہیں۔

❁❁❁

# اردو لغت نگاری کے اولین نقوش

آریوں کے ہندوستان میں داخل ہونے اور یہاں کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی پر زبردست چھاپ چھوڑنے کے ساتھ ہی اُس لسانی تسلسل کی شروعات ہوئی جس کے لیے مسلمانوں کی آمد نے ایک اہم پڑاو کا تفاعل انجام دیا۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کی آمد نے ایک مشترکہ کلچر کی بنیاد ڈال دی جسے عرف عام میں ''ہند عرب ایرانی'' کلچر سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کلچر کی تشکیل کے لیے جن عوامل نے خام مواد فراہم کیا وہ صدیوں پر محیط ہیں۔ ان عوامل میں وہ ہند عرب تجارتی تعلقات اہم ہیں جو کہ ظہورِ اسلام سے بھی قدیم ہیں۔ عرب قبل اسلام سے ہی بحری راستوں سے ہندوستان آکر کھجور، گھوڑے اور موتی لاتے اور یہاں سے جڑی بوٹیاں، ہیرے جواہرت اور تلواریں لے جاتے تھے۔ ان مراسم کی تصدیق حضرت کعبؓ ابن زہیر کے مشہور قصیدہ ''بانت سعاد''[1] سے بھی ہوتی ہے جو کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کہا تھا۔ اس قصیدے کا یہ شعر نہ صرف ان تعلقات کا مظہر ہے بلکہ عربوں میں ہندوستانی تلواروں کی مقبولیت پر بھی دال ہے:

اِنّ الرسول لَسَیفٌ یستضاءُ بہٖ مُھنّدٌ مِنْ سیوفِ مُسلُولٌ

اس کے علاوہ قرآن شریف میں مسک، زنجبیل اور کافور جیسے سنسکرت الاصل الفاظ بھی ہند، عرب تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں[2]۔ آٹھویں صدی

عیسوی میں حضرت محمد بن قاسمؒ (۹۴ھ مطابق ۷۱۲ء) نے سندھ فتح کر کے ان تعلقات کو استحکام بخشا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی اس پہلی حکومت کے تقریباً تین سو سال تک عربوں نے ہندوستان کو تہذیبی، معاشرتی اور لسانی سطح پر متاثر کیا۔ اس طرح جہاں ہندوستان کی زبان (خصوصاً ہندوی جو کہ بعد میں اردو بن کر ابھری) میں عربی زبان کے الفاظ در آنے شروع ہو گئے وہیں عربی زبان نے بھی یہاں کا اثر قبول کیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ[۳] نے عرب سیاحوں مثلاً سلیمان تاجر (۲۲۷ھ) اور ابوزید الحسن البرانی (۲۶۴ھ) کے سفرناموں میں ناریل، دیپ، جزر (گجر) طاقن (دکن)، صندل (چندن) وغیرہ الفاظ کی نشاندہی کی ہے جو کہ ہندوستانی الاصل ہیں۔ اس لسانی لین دین کو ڈاکٹر مسعود ہاشمی[۴] نے اردو لغت نگاری کے اولین نقوش سے تعبیر کیا ہے جو کہ غیر منطقی ہے۔ کیونکہ الفاظ کی مُستعاریت لسانی لین دین ہے جو کہ کسی بھی زبان کا کسی بھی زبان سے ہو سکتا ہے جبکہ لغت کسی مخصوص زبان کے سرمایۂ الفاظ کی توضیع کا کام انجام دیتی ہے۔ مستعاریت اور لغت نگاری دو الگ اور مختلف لسانی شعبے ہیں اور انہیں خلط ملط نہیں کیا جا سکتا ہے۔

فتح سندھ اور ملتان کے تقریباً تین سو سال بعد محمود غزنوی (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ مطابق ۹۹۸ء تا ۱۰۳۰ء) نے ہندوستان پر متعدد حملے کیے اور سندھ، ملتان اور پنجاب سے لے کر نواحِ دہلی تک اپنی فتوحات سے بقول جمیل جالبی ''عرب ایرانی کلچر'' اور بقول مسعود حسین ''ترکی ہندی فضا'' کی بنیاد ڈال دی اور تقریباً ڈیڑھ سو سال تک اس مشترکہ تہذیب نے ہندوستان کی طرزِ معاشرت پر اپنے گہرے نقوش چھوڑ دیے، حالانکہ غزنوی نے یہاں مستقل

قیام نہیں کیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ شہاب الدین محمود غوری کی فتحِ دہلی (۱۱۹۳ء) سے ہندوستان میں اُردو کا باقاعدہ آغاز ہوا لیکن فتح سندھ سے لے کر غزنوی کی فتوحات تک ہندوستان کی زبان میں عربی، فارسی عناصر بہ کثرت داخل ہو چکے تھے جو کہ اردو کی ترقی کے نقیب ثابت ہوئے اس سلسلے میں پروفیسر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

> ''......فتح دہلی (۱۱۹۳ء) سے کئی سو سال قبل مسلمان پہلے سندھ اور ملتان (۷۱۲ء) اور بعد کو پنجاب (۱۰۲۱ء) پر قابض ہو چکے تھے اور عربی فارسی عناصر کا داخلہ اس سرزمین میں شروع ہوگیا تھا۔ سندھ فتح ہونے کے بعد ہمیشہ کے لیے اسلامی سلطنت کا صوبہ بن گیا۔ دو سو سال کے بعد صفاریوں کی فتوحات کے ذریعے ایرانی اثرات بھی یہاں پھیل گئے تھے۔ اس وقت کے سیاحوں کے بیانات سے یہ بات واضح ہے کہ عربی زبان سندھ میں گھر کرچکی تھی''۔[۵]

ان سیاحوں میں البیرونی (جس نے ۱۰۱۷ء تا ۱۰۲۹ء تک ہندوستان کی سیاحت کی) کی تصانیف ''کتاب الہند'' اور ''کتاب الصیدنہ'' میں اس قسم کے بیسیوں الفاظ ملتے ہیں جو اصل میں ہندوستان کی زبان کے ہیں۔ ''کتاب الہند'' میں ہندوستانی مہینوں کے نام، اعداد اور دوسرے الفاظ معرّب شکلوں میں بہ کثرت موجود ہیں۔[۶] لیکن یہ لسانی لین دین زیادہ تر پنجاب تک ہی محدود رہا کیونکہ محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد لاہور اسلامی تمدّن کا مرکز تھا۔ ۱۱۹۳ء میں محمد غوری نے آخری ہندو سمراٹ پرتھوی راج کو

شکست دے کر اس عمل کا دائرہ دہلی تک وسیع کیا۔ اس مشترکہ کلچر کو دہلی میں متعارف کرنے والوں میں ایک طرف فارسی اور ترکی بولنے والے فاتحین تھے تو دوسری طرف وہ تارکینِ وطن تھے جو پنجاب کی زبان بولتے تھے جس کو دیکھ حافظ محمود شیرانیؒ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ پنجاب ہی اردو کا مولد ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بقول مرزا خلیل احمد بیگ، غوری کی فتح دہلی کو ہی جدید اردو کے آغاز کی تاریخ ماننا پڑے گا۔ لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ اردو کسی نہ کسی شکل میں ۱۰۰۰ء سے شمالی ہند میں موجود تھی لیکن ایک امتیازی زبان کی حیثیت سے اس کے آغاز و ابتداء کی تاریخ ۱۱۹۳ء ہی تسلیم کرنا ہوگی''[۸]

علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ء تا ۱۳۱۵ء) نے اس تہذیب کو گجرات اور دکن تک پہنچا دیا اور اس کی آبیاری محمد تغلق ۱۳۱۵ء تا ۱۳۵۱ء) نے اس طرح کی کہ اس زبان میں شامل مشترکہ عناصر یعنی ہند آریائی ڈھانچے پر پراکرتی، عربی، فارسی، ترکی وغیرہ الفاظ کی کھال نے بول چال سے آگے بڑھ کر ادبی حیثیت اختیار کی۔ بعد میں دکن میں بہمنی سلطنت کی تاسیس (۱۳۴۷ء) نے ''ہند عرب ایرانی'' تہذیب کے لیے ایک ادبی زبان کی ترویج کا راستہ ہموار کیا۔

ہندوستان میں عربی فارسی روایت کے آغاز کے ساتھ ہی اہل ہند کے لیے ان زبانوں کے مشکل الفاظ کی تفہیم کا مسئلہ پیدا ہوا۔ خاص طور پر فارسی الفاظ کی تفہیم نہ ہونے نے کے اہل ہند کے لیے مشکلات پیدا کیں، کیونکہ اس دوران فارسی کا، بحیثیت سرکاری اور فاتحین کی زبان، طوطی بول رہا تھا۔ اس لیے ہند میں فارسی لغت کی ابتداء کے ساتھ ہی اردو لغت نگاری کا مبہم خاکہ

ساتویں صدی ہجری سے نویں صدی تک سامنے آیا۔ حافظ محمود شیرانی[۹] کے مطابق ہندوستان میں تالیف شدہ پہلی فارسی لغت ''فرہنگ نامہ قواس'' (۶۹۰ھ) میں بعض فارسی الفاظ کے ہندی مترادفات دیے گئے ہیں۔ لیکن پروفیسر نذیر احمد[۱۰] کے مطابق ''فرہنگ نامہ قواس'' ایسے الفاظ سے خالی ہے اور یہ الفاظ شیرانی صاحب نے ''مؤیدالفضلاء'' (۹۲۵ھ) سے نقل کیے ہیں۔ بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ فارسی لغات میں ہندی مترادفات کا سلسلہ ساتویں صدی ہجری کے بعد شروع ہوتا ہے اور اسی روایت کے تتبع میں ''دستور الافاضل'' ۷۴۳ھ یا ۸۳۷ھ) مولفہ رفیع حاجب خیرات، ''اداتِ الفضلاء'' (۸۲۲ھ) بدر محمد دہلوی المعروف دھاروال، ''زفانِ گویا'' (۸۳۷ھ) مولفہ بدر ابراہیم ''شرف نامہ'' (بعد از ۸۶۷ھ قبل از ۸۷۹ھ) مولفہ ابراہیم بن قوام فاروقی اور کئی دوسری فارسی لغات میں ہندی مترادفات درج کیے گئے ہیں۔ لیکن نویں صدی ہجری میں ہندوی الفاظ کی حیثیت فارسی لغات میں اس وقت مستحکم ہوگئی جب فضل الدین بلخی[۱۱] نے ''بحرالفضائل فی منافع الافضل'' فارسی لغت (۸۳۷ھ مطابق ۱۴۳۳ء) کے باب چہارم دہم بعنوان ''در الفاظ ہندوی کہ در نظم بکار آید'' میں عربی اور فارسی الفاظ کی وضاحت کے لیے اڑھائی سو سے زائد ہندوی الفاظ استعمال کیے۔ ان میں سے بعض الفاظ آج بھی اپنی پرانی ہیئت حالت میں ہیں۔ مثلاً پالک، ترپھلہ، چونہ، چکنا چور، بھوج پتر، ملائی، سیدھی، تھانہ، چھاچھ، پھٹکری، چیل، پھرکی، لٹو، پھول، کوٹھی، چھچھوندری، کٹورہ، گھاس وغیرہ۔ بعض الفاظ ہیئتی تصرفات سے دوچار ہوگئے ہیں۔ مثلاً گھرگھٹ، (گرگٹ) کوڈھ (کوڑھ) جنجرو (گھنگھرو) تتری (تتلی) چوتر

(چوتڑ) کاچھ (کچھوا) وغیرہ [۱۲]۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ الفاظ فارسی علماء نے یہاں کی مقامی ضرورتوں کی ترسیل کے لیے استعمال کیے تھے۔ لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس وقت تک فارسی کی مستند کتابوں اور معتبر شعراء کے دواوین میں اسی قسم کے ہندوی الفاظ درآنے شروع ہو گئے تھے۔ گویا کہ یہ زمانہ عربی، فارسی اور اردو (ہندوی) کے لسانی لین دین کا زمانہ تھا جس میں ایک طرف عربی فارسی اور دیگر اسلامی زبانیں اردو کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اس پر چھا رہی تھیں اور دوسری طرف اردو (ہندوی) بھی مقامی الفاظ کے سہارے ان زبانوں میں اپنے عناصر شامل کرنے میں مصروف تھی۔ ان عناصر کو فارسی میں داخل کرنے کے عمل کے نتیجے میں جو زبان وجود میں آگئی اُسے ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''ہندوستانی فارسی'' کی اصطلاح سے واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

> ''وہ اہل قلم جو اس براعظم میں پیدا ہوئے، لکھتے تو فارسی میں تھے لیکن سوچتے اسی زبان میں تھے۔ ان لوگوں کی فارسی پر بھی، جو یہاں ایک عرصے سے آباد تھے، اس زبان کی ساخت انداز گفتار اور محاوروں کا گہرا اثر تھا۔ محاورہ کسی زبان میں اُسی وقت جگہ پاتا ہے جب وہ لکھنے والے کے ذہن اور فکر میں اُسی طرح رچ بس گیا ہو کہ وہ غیر شعوری طور پر یا بہتر اظہار کے لیے استعمال کرنے لگے۔ اُسی اثر نے ''ہندوستانی فارسی'' کی اصطلاح کو جنم دیا اور اسے ایران کی فارسی سے ممیّز کر دیا'' [۱۳]

اِس طرح عربی فارسی اور ترکی الفاظ کی کثیر تعداد اسی ترقی پذیر زبان

(اردو) میں رچ بس گئی۔ حافظ شیرانی[۱۴] نے ایسے ہندوی الفاظ کی ایک طویل فہرست دی ہے جن کو فارسی زبان کے علماء، شعراء اور صوفیوں نے اپنی فارسی تصانیف میں استعمال کیا۔ ان میں مسعود سعد سلمان، (م ۵۱۵ھ مطابق ۱۱۲۱ء) حکیم ثنائی (م ۵۴۵ھ مطابق ۱۱۵۰ء) منہاج سراج (م ۶۵۸ھ مطابق ۱۲۵۹ء)، ضیاء الدین برنی (م ۷۵۸ھ مطابق ۱۳۵۶ء) اور سید محمد مبارک کرمانی (م ۷۷۰ھ مطابق ۱۳۶۸ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی کے جیّد علماء خصوصاً حضرت امیر خسروؒ نے بھی ایسے محاورے لکھے ہیں جو کہ ہندوی مزاج کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہندوی الفاظ کی فارسی تصانیف میں جگہ پانا صرف مقامیت کے اظہار کی وجہ سے عمل میں آ گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت امیر خسروؒ نے لکھا ہے:

> ''لفظ ہندوی درفارسی آوردن لُطفے ندارد۔ مگر بضرورت آنجا کہ ضرورت بوداست آورد شد''[۱۵]

اسی ''ہندوستانی فارسی'' کے اثر کے نتیجے میں اردو کا ارتقائی عمل بھی تیز ہو گیا اور ریختہ معرض وجود میں آیا جس میں عربی، فارسی اور ہندوی الفاظ شعر میں یکجا کیے جاتے تھے[۱۶]۔

اس کے علاوہ فال ناموں، فقروں اور دوہروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی اسی عہد میں وجود میں آ گیا جس میں فارسی کے ساتھ ساتھ ہندوی الفاظ بھی استعمال کیے گئے تھے۔ صوفیاء کے ملفوظات بھی اسی ملواں زبان میں کہے گئے[۱۷]۔ اس طرح آہستہ آہستہ مقامی ضروریات سے باہر کے الفاظ بھی فارسی تصنیفات میں جگہ پانے لگے۔ ان الفاظ کی تفہیم و توضیح کے لیے منظوم نصاب

ناموں[۱۸] کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کہ بظاہر بچوں کے لیے لکھے جاتے تھے تا کہ وہ ہندوی الفاظ کے فارسی مترادفات زبانی یاد کر سکیں، لیکن ان سے نہ صرف طلباء نے استفادہ کیا بلکہ عرب و ایران وغیرہ کے فاتحین، مہاجرین اور مذہبی مبلغین بھی اس قسم کی منظوم تصنیفات سے عوام کی بول چال کے قریب آ گئے۔

ان منظوم نصاب ناموں کی ابتداء کے بارے میں مختلف آراء پیش کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالحق[۱۹] کے مطابق سکندر آباد ضلع بلند شہر کے اجے چند ولدِ و نے چند کی لغت، جس کو انہوں نے ''مثل خالق باری'' نام دیا ہے، سب سے قدیم منظوم لغت ہے۔ ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی[۲۱] نے اپنی دریافت شدہ لغت ''لغات گجری'' کو اولین نصاب نامہ جتلایا ہے جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''خالق باری'' کی قدامت پر زور دیا ہے۔ حافظ محمود شیرانی[۲۲] نے ''قصیدہ در لغات ہندی'' کو اردو کا پہلا منظوم نصاب نامہ تسلیم کیا ہے۔ (ان نصاب ناموں کا ذکر آگے آئے گا)۔ اختلافِ رائے کی بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ان نصاب ناموں کی زمانی ترتیب میں بھی محققین میں اختلافات موجود ہیں۔ حافظ شیرانی کے مطابق ''تجلّی'' کا ''اللہ خدائی'' دوسرا نصاب نامہ ہے جبکہ ڈاکٹر جالبی کے نزدیک اشرف بیابانی کا ''واحد باری'' دوسرا ہے اور ڈاکٹر ہاشمی نے اجے چند کے ''مثل خالق باری'' کو دوسرا تسلیم کیا ہے۔ جب ان تمام محققین کی آراء کو مدّنظر رکھ کر نصابوں کی زمانی ترتیب دی جاتی ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اختلاف رائے کی بنیاد ''خالق باری'' کے مصنف کے عدم تعین کی وجہ سے پیدا ہوگئی۔ ماضی قریب تک اس بات پر اتفاق تھا کہ اردو نصاب ناموں کی ابتدا حضرت امیر خسروؒ (۶۵۰ھ یا ۶۵۲ھ تا ۷۲۵ھ)

کے منظوم رسالہ ''خالق باری'' سے ہوئی لیکن حافظ شیرانی[۲۲] کے اس دعوے کی بناء پر کہ ''خالق باری''، امیر خسرو کی نہیں بلکہ گیارہویں صدی کے ایک شخص ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ہے، اردو نصاب ناموں کی زمانی ترتیب میں زبردست تبدیلی آ گئی۔ اس طرح دو گروہ سامنے آ گئے جو کہ ''خالق باری'' کے مصنف، کے حوالے سے متذکرہ دعووں کی تائید میں اپنی اپنی تحقیقات پیش کرنے لگے۔ پہلے گروہ کی نمائندگی خان آرزو[۲۴]، محمد امین عباسی (چڑیا کوٹی)[۲۵] محمد حسین آزاد[۲۶] پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب[۲۷] وغیرہ کرتے ہیں جبکہ دوسرے گروہ میں حافظ شیرانی کے علاوہ سید سلیمان ندوی[۲۸] بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی[۲۹] نے بھی دبے لفظوں میں شیرانی گروہ کی حمایت کی ہے۔ حافظ شیرانی نے ''خالق باری'' میں بعض فنی نقائص کی بنیاد پر اس کو امیر خسرو جیسے مستند شاعر کی تصنیف ماننے سے انکار کیا۔ آپ محمد امین عباسی کے دعوے کی تردید میں رقمطراز ہیں:

> ''میں امیر کی طرف اس تالیف کا انتساب امیر کی ہتک سمجھتا ہوں۔ ہمیں اس کے نقائص پر بھی ایک نگاہ ڈالنی چاہیے۔ اس کتاب میں ہر قسم کی ترتیب کا التزام مفقود ہے۔ مضمون، الفاظ اور وزن میں کوئی قرینہ ملحوظ نہیں۔ ہندی الفاظ کے تلفظ کی کوئی پروا نہیں کی گئی۔ بعض الفاظ کا صحیح ترجمہ نہیں دیا۔ عربی، فارسی اور ہندی مرادف بالالتزام نہیں دیے۔ کبھی فارسی ہندی دیے کبھی فارسی عربی پر اکتفا کی۔ بھرتی کے الفاظ اس کثرت سے لائے گئے ہیں کہ الفاظ برائے بیت خالق باری کا وقیع پہلو بن

گئے''۔[۳۰]

لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی[۳۱] کی دلیل یہ ہے کہ ''خالق باری'' امیر خسرو کی وہ تصنیف ہے جو کہ انہوں نے بچوں کے لیے لکھی تھی اور انہوں نے کبھی بھی اس پر افتخار نہیں کیا۔ انہوں نے یہ ''نظم ہندی'' کے ''جزوے چند'' لکھ کر ''نذرِ دوستان'' کیے۔ اس کے علاوہ اس میں زمانہ بدلنے کے ساتھ اتنی تبدیلیاں ہوئیں کہ اصل اور نقل کا امتیاز نہیں رہا۔ لیکن جالبی نے ساتھ ہی محمد امین عباسی اور آزاد کے اس مفروضے کی بھی تردید کی ہے کہ ''خالق باری'' کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر جالبی مذکور نے خالق باری کی قدامت کے سلسلے میں ایک اور دلیل یہ دی ہے کہ اگر اسے گیارہویں صدی ہجری کی تصنیف مانا جائے تو یہ کیوں کر ہوسکتا کہ اس سے دو سو سال پہلے وہی شعر کہا گیا ہو جو خالق باری میں بھی موجود ہے۔ خالق باری کا آخری شعر ہے۔

؎ خالق باری بھئی تمام      دوہوں جگ رہا خسرو نام

جبکہ اشرف بیابانی کی واحد باری کا اختتام اس شعر سے ہوتا ہے۔

؎ واحد باری ہوئی تمام      دنیا میں رہے اشرف کا نام

اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اصل شعر اشرف بیابانی کا ہے جسے بعد میں ضیاء الدین خسرو نے اپنے نصاب نامے میں درج کیا ہے البتہ الفاظ کا مزاج اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ خالق باری کا شعر قدامت کا حامل ہے۔ اس طرح ڈاکٹر جالبی کی اس رائے سے اتفاق کی گنجائش ہے کہ ''خالق باری'' نام سے منظوم نصاب نامے دو مختلف زمانوں میں دو مختلف اشخاص (یعنی ساتویں صدی ہجری میں حضرت امیر خسرو اور گیارہویں صدی ہجری میں ضیاء

الدین خسرو) نے لکھے۔ اس رائے سے اتفاق کرنے کے ساتھ ہی اردو کے پہلے نصاب نامے کا تعین بھی ہوتا ہے۔ یعنی اردو میں نصاب ناموں کی ابتدا حضرت امیر خسروؒ کے خالق باری سے ہوتی ہے جس میں عربی، فارسی الفاظ کے مترادفات ہندی میں نظم کی صورت میں دیے گئے ہیں۔ ابتدائی نصاب نامے کے تعین کے باوجود مابعد کے نصاب ناموں کی ترتیب میں تھوڑی سی اختلافی نوعیت باقی رہتی ہے۔ ڈاکٹر ہاشمی[۳۲] نے ڈاکٹر سید عبداللہ کے حوالے سے حکیم یوسف ہروی کے ''قصیدہ درلغات ہندی'' کو اولیت کا درجہ دیا ہے جو کہ بعید از امکان ہے کیونکہ یہ دسویں صدی ہجری کے نصف اول کی تصنیف ہے جبکہ ''نوسرہار'' (۹۰۹ھ/ ۱۵۰۳ء) والے اشرف بیابانی کا نصاب نامہ ''واحد باری'' اس سے بھی قدیم ہے[۳۳]۔ اسی طرح یہ اجے چند دلدو نے چند کے نصاب نامے سے بھی قدیم ہے جس کو ڈاکٹر عبدالحق[۳۴] نے ''مثل خالق باری'' سے موسوم کرنے کے بعد قدیم ترین نصاب نامہ گردانا ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۹۶۰ھ مطابق ۱۵۵۱ء تسلیم کرنے کے ساتھ ہی واحد باری کی قدامت بھی تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امیر خسرو کے ''خالق باری'' کے بعد اشرف بیابانی کا ''واحد باری'' دوسرا منظوم نصاب نامہ (قدیم منظوم لغت) ہے اور اس کے بعد ہی ''قصیدہ درلغات ہندی'' مولفہ حکیم یوسف ہروی (یا ہراتی) کا نمبر آتا ہے جو کہ دسویں صدی ہجری کے نصف اول (۹۵۰ھ) میں عہد شاہجہانی میں لکھا گیا۔ حافظ شیرانی[۳۵] نے اس کے اشعار کی تعداد کم یعنی صرف چوالیس ہونے کی بناء پر اس کو نصاب نامہ تسلیم نہیں کیا ہے اور اب جبکہ تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ پہلا منظوم لغاتی نصاب نامہ نہیں ہے پھر بھی

اس کی منظوم لغاتی نوعیت کی بناء پر اسے ابتدائی نصاب ناموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس میں نہ صرف مختلف اشیاء اور دواؤں کے نام درج ہیں بلکہ بعض الفاظ کی قواعدی شکلیں بھی دی گئی ہیں۔ اس کے مطلع میں ہی مؤلف نے صراحت کی ہے کہ اس کا مقصد فارسی اور ہندی کے مترادفات درج کرنا ہے تاکہ اس سے ہر دو زبان کی تفہیم میں مدد مل سکے۔

نام ہر چیزے بہ ہندی بہ شنواز من اے پسر
خاصہ نام ہر دوائے نفع برداری مگر

اور دوسرے شعر میں بل، (فعل)، بل کر (امر) سخن (اسم) شکر کر (امر) الفاظ دے کر قواعدی اطلاعات بھی فراہم کی ہیں۔

بل تکلم باشد و بل کر بگو یعنی سخن
شکر فرماید آنکس کہ گوید شکر کر[۳]

حکیم یوسف کے قصیدے کے بعد اجے چند بھٹناگر کے نصاب نامے کا نمبر آتا ہے نہ کہ تجلی کے ''اللہ خدائی'' کا جیسا کہ حافظ شیرانی[۳۷] نے لکھا ہے کیونکہ اس کے مطبوعہ نسخے کے مطابق اس کا سنہ تصنیف ۱۰۶۶ھ اور بقول پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب[۳۸] ۱۰۶۰ھ ہے۔ جبکہ اجے چند ولدِ نے چند (یادنی چند) کے نصاب نامے کا سنہ تصنیف ایک صدی قبل یعنی ۹۶۰ھ ہے۔ چنانچہ اس کا قلمی نسخہ نامعلوم الاسم ہے اس لیے اِسے ڈاکٹر عبدالحق[۳۹] نے ''مثل خالق باری'' سے موسوم کیا ہے اور اسی نام سے یہ اب تک مشہور ہے۔ اس میں ۲۶ عنوانات کے تحت مختلف موضوعات کو منقسم کیا گیا ہے۔ جن میں مطبخ خانہ، آب دار خانہ، خزانہ خانہ، فیل خانہ وغیرہ میں ہندی الفاظ مع فارسی

مترادفات درج ہیں۔ ان الفاظ میں زیادہ تر اسماء ہیں اور کہیں کہیں افعال، ضمائر، صفات وغیرہ بھی شامل ہیں[۴۰]۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان نصاب ناموں کا سلسلہ فارسی لغات میں ہندوی الفاظ کی شمولیت سے شروع ہوا اور اردو لغت نگاری کے اولین نقوش سامنے آ گئے اس دوران جتنے بھی منظوم لغاتی رسالے لکھے گئے وہ تقریباً سب ''خالق باری'' ہی کے تتبع میں ہیں۔ ان میں ''اللہ خدائی'' (۱۰۶۰ھ یا ۱۰۶۶ھ) مولفہ تجلّی ''رازق باری'' (۱۰۷۱ھ) مولفہ اسماعیل فرخ ''صبیان'' (قریب ۱۰۷۵ھ) مولفہ شیخ اسحٰق لاہوری ''صمد باری'' (اواخر گیارہویں یا اوائل بارہویں صدی ہجری) مولفہ میر عبدالواسع ہانسوی وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر لغاتی رسالہ جسکو ''رسالۂ جان پہچان'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، سہ لسانی لغت ہے جس میں عربی فارسی اور اردو الفاظ درج ہیں۔

بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں اس قسم کی منظوم لغات کا ایک طویل سلسلہ معرضِ وجود میں آ گیا۔ اس دور کے نصاب ناموں میں ''اللہ باری'' (۱۲۰۷ھ) از حافظ احسن لاہوری۔ ''صفت باری'' (۱۳۲۰ھ) مولفہ گنیش داس وغیرہ شامل ہیں[۴۱]۔ اس کے علاوہ دکن میں بھی ایسے نصاب ناموں کی ایک قلیل تعداد تالیف کی گئی ہے جن میں سیّد سلیمان[۴۲] کی دریافت شدہ منظوم لغت کے علاوہ ''خوان یغما'' (قبل ۱۱۱۵ھ) مولفہ سید طاہر شاہ کرنولی، ''رازق باری'' (قبل ۱۱۴۸ھ) مولفہ سید والہ، اور ''قادر باری'' (۱۲۰۱ھ) مولفہ فیاض عسکری وغیرہ شامل ہیں[۴۳]۔ ساتویں صدی سے بارہویں صدی ہجری تک لکھے گئے نصاب ناموں کا انداز اگرچہ ایک جیسا تھا یعنی نہ ان

میں کوئی ترتیب تھی اور نہ تعین الفاظ کا کوئی اصول، مزید تشریح طلب لفظ کبھی اردو کا درج کیا جاتا تھا اور کبھی فارسی کا، پھر بھی ان کی وضاحتی نوعیت کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دور اردو لغت نگاری کا نقیب تھا۔ یہ منظوم رسائل ماضی قریب تک چلن رہے جن میں غالبؔ کا ''قادر نامہ''[۴۴] اور مولوی اسماعیل میرٹھی کی نصابی غزل، جو کہ مومنؔ کی مشہور غزل ''........ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو'' کے وزن اور ردیف قافیہ میں لکھی گئی ہے، بھی شامل کی جا سکتی ہے[۴۵]۔

گیارھویں/ بارھویں صدی ہجری میں اردو اپنے ابتدائی دور سے نکل کر علمی اور ادبی سطح تک پہنچ گئی اس لیے اردو کے ایسے الفاظ کی تفہیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو کہ تصنیفات میں آتے تھے لیکن فارسی لغات میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اسی ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر ملا عبدالوسع[۴۶] ہانسوی نے عہد عالمگیری میں اردو فارسی لغت ''غرائب اللغات'' ترتیب دے کر اردو لغت نگاری کی باقاعدہ ابتدا کی۔ چنانچہ یہ لغت ابتدائی کوشش تھی اس لیے اس میں لغت نگاری کے رہنما اصولوں کی پیروی کرنا ناممکن تھا بلکہ اس کا مقصد طلبہ کے ذہن میں لفظ کے معنی کا مُبہم تصور اجاگر کرنا تھا اس لیے اگر اس میں ''پہیلی'' کے معنی معمہ چیستان اور لغز دیے گئے ہیں، یا اگر ''اندرسا'' اور جلیبی کو ایک ہی چیز کہا گیا ہے، یا اگر ''بے کار'' اور ''بیگار'' میں فرق واضح نہیں کیا گیا ہے تو ہانسوی کی مساعی کو بہ یک جنبشِ قلم رد نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اُسے لغت نگاری کے نقشِ اول سے تعبیر کر کے اس کی غلطیوں سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی یہ رائے اس سلسلے میں صائب معلوم ہوتی ہے۔

''درحقیقت ہانسوی کی اس کتاب میں وہ سب خصوصیتیں

موجود ہیں جو کسی فن کے موسس اور ابتدا کرنے والے شخص کی تصنیف میں ہوا کرتی ہے۔ ایسی کوششیں اس لحاظ سے بھی بڑی قابل قدر ہوتی ہیں کہ وہ بعد میں آنے والوں کو راستہ دکھاتی ہیں"[۴۷]

اس کے علاوہ ہانسوی نے بھی اس امر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"ہر چند ایں ہیچ مداں رالیاقتِ ترتیب وقابلیت تالیف نبود۔ لیکن کثرت الحاج کثیر از اصحاب وفرط افتراح جم غفیر اولی الباب باعث براں باشد کہ اسمائے مشہورہ واشیائے مدخورہ والفاظ غیر مانوسہ معانی بین الانام مذکورہ رابہ عبارات واضحہ واشارات لائحہ بیان نماید تا فائدہ آں عام ونفع آں تمام شد"[۴۸]

معنی کی خامیوں کے علاوہ غرائب الغات کی ترتیب بھی ابتدائی عربی، فارسی حتی کہ انگریزی لغات کی طرح کسی منضبط اصول پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی ترتیب بے شک ہجائی ہے لیکن اس میں صرف لفظ کے پہلے حرف کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اسی طرح الفاظ کا املا عوامی بول چال کے مطابق ہے مثلاً جچہ (زچہ) رتحل (رحل) چرکھی (چرخی) وغیرہ۔ اس ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے الفاظ آج بھی انبالہ سے میرٹھ تک (نواحِ ہریانہ جو کہ مولف کا وطن تھا) اسی طرح بولے جاتے ہیں[۴۹]۔ اس کے علاوہ اس لغت میں بعض بانگڑو الفاظ بھی آئے ہیں اور اس کی بھی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ہانسوی کے زیر نظر ایک مخصوص علاقے کی زبان تھی۔ غرایب اللغات کی انہی خامیوں کو دیکھ کر سراج الدین علی خان آرزو (۱۶۸۷ء تا ۱۷۵۵ء) نے غرایب اللغات کو بنیاد بنا کر اپنی

لغت ''نوادر الالفاظ'' تالیف کی جس میں آرزو نے نہ صرف غرائب میں شامل بانگڑ و الفاظ کو خارج کیا بلکہ نئے الفاظ کا بھی اضافہ کیا۔ ''نوادر الالفاظ'' میں ''غرائب'' کی ہجائی ترتیب کو آگے بڑھا کر لفظ کے دوسرے حرف تک لیا گیا ہے۔ خان آرزو کی لغت زبان کے ارتقاء میں اس لحاظ سے بھی تاریخی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں لفظ ''اردو'' پہلی دفعہ آیا ہے، ورنہ پہلے اس زبان کو ''گجری''، ''دکنی''، ''زبان دہلوی'' وغیرہ ناموں سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس لغت کی سب سے بڑی کجی تلفظ کی وضاحت ہے اس میں راس لفظ (Head Word) کے تلفظ کے بجائے اس کے عربی یا فارسی مترادف کا تلفظ دیا گیا ہے۔[۵۰]

غرائب اللغات اور پھر نوادر الالفاظ کی تقلید میں کئی اور اردو فارسی لغات مرتب کی گئیں اور یہ بھی کہیں کہیں سہ لسانی لغات (اردو، فارسی، عربی) کا تفاعل انجام دیتی ہیں۔ ان سب لغات کی مشترکہ خامی مترادف کا فارسی یا عربی تلفظ اور سند کے طور پر دئے گئے اشعار ہیں۔ تلفظ بھی اردو راس لفظ کے بجائے مترادف کا دیا گیا ہے اور سند میں دیا گیا شعر بھی فارسی/عربی میں ہے جس سے مترادف کی وضاحت تو ہوتی ہے لیکن تشریح طلب اردو لفظ تشنۂ تعریف رہ جاتا ہے۔ ان لغات میں ''نفائس اللغات'' (۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء) مولفہ اوحدالدین بلگرامی[۵۱]۔ ''نفس اللغۃ'' (۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۴۴ء) مولفہ میر علی اوسط رشک[۵۲] اور ''منتخب النفائس'' (۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۴۵ء) مولفہ محبوب علی رامپوری قابل ذکر ہیں۔ ان میں ''نفائس اللغات'' میں دیگر لغات کے برعکس اصل راس لفظ (اردو) ہی کا تلفظ دیا گیا ہے لیکن اسناد

بہر حال فارسی اشعار ہی سے دی گئی ہیں۔ ''نفس اللغۃ'' چونکہ صرف ''ا'' سے ''ت'' تک کے الفاظ پر مشتمل ہے جن کے صرف عربی فارسی مترادفات دیے گئے ہیں لیکن کسی قسم کی وضاحت نہیں ملتی ہے۔ بعض الفاظ کی ضمن میں صرف ''فارسی است'' لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مشکل الفاظ کے اعراب ہیں لیکن کسی قسم کی سند نہیں۔ اگر چہ ڈاکٹر عبدالحق[۵۳] نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ''مولف کو فن لغت نویسی کے اصول سے کوئی لگاؤ نہیں تھا'' لیکن نشتر[۵۴] کے مطابق رشک نے یہ لغت مرتب کر کے دراصل اردو لغت نگاری کا بنیادی پتھر رکھ دیا۔ ''منتخب النفائس'' کے تین کالموں میں پہلے اردو پھر فارسی اور آخری کالم میں عربی مترادف دیا گیا ہے۔ لیکن اعراب، تشریح اور سند کے اشعار حاشیے میں دیے گئے ہیں[۵۵]۔

اردو فارسی لغات میں سید ضامن علی جلال[۵۶] (۱۸۳۴ء تا ۱۹۰۹ء) کی لغت ''گنجینۂ زبان اردو''[۵۷] (۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۱ء) بھی خاصی اہم ہے۔ اس لغت میں رشک (اُستادِ جلال) ہی کی طرح اُردو الفاظ ومحاورات کے معنی فارسی میں دے گئے ہیں لیکن رشک کے برعکس اساتذہ کے اشعار بطور سند پیش کیے گئے ہیں۔ رشک ہی کی طرح جلال نے بھی پہلے ایک مختصر دیباچہ تحریر کیا ہے اور بعد میں الفاظ ومحاورات کا اندراج کیا ہے۔ اپنے دیباچے میں جلال[۵۸] نے لغت کے محرکات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گزشتہ لغات میں جن الفاظ ومحاورات، کنایات، مصطلحات اور مثل ہائے اردو کو متنازعہ مان کر ترک کیا گیا ہے انہیں ''گنجینہ'' میں درج کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں الفاظ کے سیاقی استعمال کے طور پر اسناد بھی دی گئی ہیں۔ فارسی اور عربی کے دخیل الفاظ

کے لیے ''ف'' اور ''ع'' مخففات سے نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی طرح زنانہ، بازاری اور دیگر طبقوں سے تعلق رکھنے والے الفاظ کی بھی تخصیص کی گئی ہے۔ اسی لغت کو بعد میں جلال نے ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں ''سرمایۂ زبان اردو'' (تحفۂ سخن وراں) کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔ 'سرمایۂ' اور 'گنجینۂ' میں فرق صرف اتنا ہے کہ ''گنجینہ'' میں الفاظ و محاورات زیادہ ہیں جبکہ ''سرمایہ'' میں کم، اسناد و شواہد میں بھی کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔

## حواشی:

۱: قصیدہ ''بانت سُعاد'' کعب بن زہیر۔ ص ۴۳، کتب خانہ رحیمیہ دیو بند۔
روایت ہے کہ جب شاعر نے یہ شعر پڑھا اور مُہند من سیوف الھند کہا تو حضرت رسالت پناہ صلعم نے من سیوف الھند کی جگہ سیوف اللہ فرما کر اپنی چادر شریف عنایت فرمائی۔ (مولوی ذوالفقار علی دیو بندی۔ شرح قصیدہ'' بانت سعاد'' ص ۴۴)

۲: ڈاکٹر سید عبداللہ مقدمہ نوادرالالفاظ ''مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔ پاکستان (کراچی) ۱۹۵۱ء۔

۳: ڈاکٹر سید عبداللہ مقدمہ نوادر اللفاظ ۳۰، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) ۱۹۵۱ء۔

۴: ڈاکٹر مسعود ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ۔ ۲۴۔

۵: مسعود حسین خان مشمولہ علیگڑھ تاریخ ادب اردو۔ شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ ۱۴۔ ۱۵، ۱۹۶۲ء۔

۶: سید عبداللہ۔ قدیم عربی تصانیف میں ہندوستانی الفاظ۔ بحوالہ مسعود حسین خان۔ مشمولہ علی گڑھ تاریخ ادب اردو ۱۵۔

۷: شیرانی۔ پنجاب میں اردو۔

۸: ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ۔ اردو کی لسانی تشکیل۔ ۵۴

۹: مقالات حافظ محمود شیرانی۔ بحوالہ ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو ۱۰۳ جلد اول۔

۱۰: پروفیسر نذیر احمد ''فارسی کی قدیم فرہنگوں میں ہندوستانی عناصر''۔ مشمولہ ارمغان مالک مجلس ارمغان مالک ۱۹۷۱ء بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ۔ ۲۵۔

۱۱: حافظ شیرانی اور ڈاکٹر جالبی کے مطابق نام فضل الدین بلخی ہے جبکہ ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے اسکا نام محمد بن قوام الدین بن رستم بلخی لکھا ہے۔ بلخی احمد آباد کے پاس

کرئی نامی قصبے کا رہنے والا تھا۔ اس لحاظ سے اُسے کرئی بھی کہتے ہیں۔ حکیم سید شمس الدین قادری نے بحر الفضائل کا سنہ تالیف ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۲۹ء لکھا ہے (اردوئے قدیم کراچی ۱۹۶۳ء (کراچی) بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی ۲۶۔

۱۲ : مقالات حافظ محمود شیرانی۔ جلد اول ۱۲۱ تا ۱۳۰ بحوالہ ڈاکٹر جالبی۔ تاریخ ادب اردو ۱۳۰ جلد اول۔

۱۳ : ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ۲۵۔

۱۴ : حافظ شیرانی۔ مقالات حافظ محمود شیرانی ۱۹، ۶۳، ۶۴، ۹۴۔
جلد اول: بحوالہ ڈاکٹر جالبی ۲۴۔

۱۵ : حضرت امیر خسرو۔ دیباچہ غرۃ الکمال۔ بحوالہ ڈاکٹر جالبی۔ ایضاً

۱۶ : امیر خسرو کا یہ مشہور ریختہ اسی لسانی کشمکش کی نمائندگی کرتا ہے۔ اِس قسم کے ریختوں میں آدھا مصرعہ فارسی کا اور آدھا اردو کا یا ایک مصرعہ فارسی کا اور ایک مصرعہ اردو کا ہوتا تھا۔ اس شعر کے مصرعوں میں نصف فارسی اور نصف اردو کا ہے۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

جبکہ دوسرے شعر میں ایک مصرعہ فارسی اور دوسرا اردو کا ہے۔

شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

۱۷ : ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب میں اردو میں اس قسم کی تصنیفات کی پوری تفصیل دی ہے۔

۱۸ : منظوم نصاب ناموں کا رواج ایران میں ساتویں صدی ہجری میں ابونصر فراہی کی تالیف ''نصاب الصبیان'' سے شروع ہوا جو کہ ۶۱۷ھ میں لکھا گیا۔ ''نصاب'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے دوسو درہم وہ رقم ہے جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اس رقم کا مالک ''صاحب نصاب'' کہلاتا ہے۔ چنانچہ ''نصاب الصبیان'' کے اشعار کی تعداد بھی دو سو ہے، اس لیے اس کا نام ''نصاب'' رکھا

گیا۔ ابو نصر کی تقلید میں لکھی جانے والی فرہنگوں کو بھی اس اعتبار سے نصاب ہی کہا گیا (حافظ محمود شیرانی، خالق باری۔ مشمولہ امیر خسرو احوال آثار ۳۰۹)

۱۹ : بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی۔ ۲۸۔

۲۰ : ایضاً۔ ۲۲

۲۱ : ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ۳۳۔

۲۲ : حافظ محمود شیرانی۔ مشمولہ امیر خسرو احوال و آثار ۳۱۰

۲۳ : ایضاً۔

نیز مقدمہ حفظ اللسان معروف بہ خالق باری۔ انجمن ترقی اردو نئی دہلی۔ ۱۹۴۴ء

۲۴ : بحوالہ حافظ شیرانی۔ مشمولہ امیر خسرو احوال و آثار۔ ۳۲۲ تا ۳۲۴

۲۵ : جواہر خسروی۔ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج ۱۹۸۱ء۔ بحوالہ ڈاکٹر جالبی ۳۰ جلد اول تاریخ اردو ادب۔

۲۶ : محمد حسین آزاد۔ آب حیات ۱ے

۲۷ : مشمولہ ہندوستانی ۳۴۔ جنوری ۱۹۳۱ء بحوالہ شیرانی۔ مشمولہ خسرو احوال و آثار۔ ۳۱۸

۲۸ : سید سلیمان ندوی۔ نقوش سلیمانی ۲۳۷۔ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۲۹ء۔

۲۹ : ڈاکٹر ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ ۲۹

۳۰ : حافظ محمود شیرانی۔ خالق باری۔ مشمولہ امیر خسرو احوال و آثار ۳۲۶

۳۱ : ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو ۳۳۔

ڈاکٹر جالبی کے دلائل میں یہ بھی ہے کہ خالق باری اصل میں امیر خسرو کی تصیف ہے جس پر بعد کے نصاب نویسوں نے اپنے الحاقات شامل کیے ہیں چنانچہ یہ اس زمانے کا دستور تھا کہ تصنیف کا پہلا لفظ ہی اس کا نام ہو۔ اس طرح امیر خسرو نے

خالق باری سرجن ہار     واحد ایک بڑا کرتار

لکھ کر اسے خالق باری کے نام سے موسوم کیا جس پر عہد جہانگیری کے ضیاء الدین خسرو نے اضافہ کر کے اسکا نام حفظ اللسان رکھا۔ اس دلیل کی تائید میں ڈاکٹر جالبی نے مطبوع الصبیان'' کے مولف صفی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''حفظ

اللسان'' مرتبہ شیرانی کے مطبوعہ نسخے میں ۲۳۵ اشعار ہیں جب کہ نول کشور کے مطبوعہ نسخے میں ۱۹۲ / اشعار ہیں ان دونوں میں ۱۷۰ ابیت مشترک ہیں۔ اسی طرح رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے نسخے میں ۲۱۵ / اشعار ہیں جن میں حفظ اللسان کے ساتھ ۱۳۰ / مشترک ہیں۔

۳۲ : ڈاکٹر مسعود ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ ۳۸۔

۳۳ : ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو ۳۳ واحد باری میں نہ صرف اردو الفاظ کے عربی فارسی مترادفات لکھے گئے ہیں بلکہ موسیقی، عروض، ردیف وقافیہ اور اصناف سخن کے بارے بھی سمجھایا گیا ہے۔ چند اشعار یوں ہیں۔

جر سے دریا آب فراخ کلام موزوں ہے ڈالی شاخ
ہم بیت کو مصرعہ بول دو مصرع کی بیت ہے کھول
رُباعی کیا ہے چو مصرع جان مخمس کیا پنج مصرع خوان

۳۴ : ڈاکٹر عبدالحق۔ قدیم اردو ۱۹۸ مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء بحوالہ جالبی۔ ایضاً ۵۵

۳۵ : حافظ محمود شیرانی۔ مشمولہ امیر خسرو احوال و آثار ۳۱۰

۳۶ : چند مزید اشعار یوں ہیں:

ہست پیشانی متھ، سینہ چھاتی، دست است ہتھ
موہ رو وچل رواں شو، بیٹھ بنش، دیکھ نگر
جیو جاں، چوچی است، پستاں ریت آب بنی است
موئے مژگان راپلک خوان و کلیجہ راں جگر

(حفظ اللسان معروف بہ خالق باری مرتبہ شیرانی ۸، بحوالہ جالبی اول ۵۳،۵۴)

۳۷ : حافظ شیرانی۔ مشمولہ امیر خسرو احوال و آثار ۳۱۱۔

۳۸ : بحوالہ ایضاً۔

۳۹ : ڈاکٹر عبدالحق۔ قدیم اردو۔ بحوالہ جالبی۔ تاریخ ادب اردو (اول) ۵۵

پروفیسر نذیر احمد نے حمیدیہ لائبریری بھوپال میں موجود اس کے قلمی نسخے کے مطابق شائع کیا ہے اور اسی نسخے کے ایک شعر میں مولف نے اپنا نام ''پسر دیپ چند'' کہا

ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق کے حوالے سے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن سے اس کے نام، ولدیت اور وطن کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی ہیں:

درسن نہصد شصت حصابے۔ بتوفیق حق شد کتابے۔
کرم بکرم فرماں داد۔ ساکن شہر سکندر آباد۔
اجچند بھٹنا گر بندا۔ پسر دت پچند شعر کندا۔
متصل دار الملک مقام۔ حضرت دہلی نادر نام

۴۰ : ڈاکٹر عبدالحق۔ قدیم اردو۔ بحوالہ جالبی۔ ایضاً ۵۵

۴۱ : حافظ محمد شیرانی۔ مشمولہ امیر خسرو احوال و آثار ۳۲۴۔ نیز ڈاکٹر ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ ۳۰۔۳۱۔

شیرانی نے ایسے نصاب ناموں کی طویل فہرست دی ہے جن میں تین نسخے ''خالق باری'' کے نام سے مختلف زمانوں میں لکھے گئے ہیں۔ ڈاکٹر ہاشمی نے بھی ''خالق باری'' نام سے چار نصاب نامے دیکھے ہیں۔

۴۲ : سید سلیمان ندوی۔ نقوش سلیمانی۔ معارف پریس اعظم گڑھ۔ ۱۹۳۹ء

۴۳ : بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ ۳۴ تا ۳۷۔ ڈاکٹر ہاشمی نے ڈاکٹر نجیب اشرف ندوی کی دریافت کردہ ''لغات گجری'' (۱۰۳۱ھ) کو بھی نصاب ناموں میں شامل کیا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ نظم میں نہیں بلکہ نثر میں ہے۔ اس کے علاوہ منظوم نصاب ناموں میں اندراج کی کوئی ترتیب نہیں ہے جبکہ لغات گجری میں باضابطہ ترتیب موجود ہے۔ اس لغت کو اردو فارسی لغات کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ سہ لسانی (عربی فارسی، اردو) لغت ہے اس لیے اسے دولسانی لغات کا نقیب قرار دیا جاسکتا ہے۔

۴۴ : غالب کے ''قادر نامہ'' کے چند ابتدائی اشعار یوں ہیں۔

قادر اللہ اور یزداں ہے خدا ہے نبی مرسل پیمبر رہنما
پیشوائے دیں کو کہتے ہیں امام وہ رسول اللہ کا قائم مقام
ہے صحابی دوست خالص ناب ہے جمع اس کی یاد رکھ اصحاب ہے
بندگی کا یاں عبادت نام ہے نیک بختی کا سعادت نام ہے

۴۵ : اسماعیل میرٹھی کی غزل کے چند اشعار یوں ہیں۔

وہی کارواں ہے وہی قافلہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی منزل اور وہی مرحلہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن
اسے وزن کہتے ہیں شعر کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی شکر ہے جو سپاس ہے وہ ملول ہے جو اداس ہے
جسے شکوہ کہتے ہو ہے گِلہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی خوار ہے جو ذلیل ہے وہی دوست ہے جو خلیل ہے
بد و نیک کیا ہے بُرا بھلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

۴۶ : ہانسوی کی پیدائش اور وفات کی تاریخیں نامعلوم ہیں البتہ ان کا زمانہ عہد اورنگ زیب عالمگیری بتایا جاتا ہے۔ ان کی دیگر کتب میں ''صمد باری یا رسالہ جان و پہچان'' کے علاوہ بچوں کے لیے لکھی گئی ''شرح بوستان''، ''شرح زلیخا'' اور ''رسالہ عبدالواسع'' ہیں۔

۴۷ : سید عبداللہ۔ مقدمہ نوادر الالفاظ ۵، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۱ء۔

۴۸ : ایضاً۔ ۲

۴۹ : ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو (اول) ۶۷۔

۵۰ : تفصیل کے لیے دیکھیے اردو لغت کا تنقیدی جائزہ۔ از ڈاکٹر ہاشمی ۴۲۔۴۳

۵۱ : ڈاکٹر اکبر حیدر کاشمیری (تحقیق و انتقاد ۲۲۹) نے اس کا سال تالیف ۱۸۴۲ء عہد محمد علی شاہ لکھا ہے جب کہ رشید حسن خان (زبان و قواعد ۲۳۹) نے نسخہ نول کشور (بار دوم) کے حوالے سے لکھا ہے کہ مولف نے خود صراحت کی ہے اور اس کی تکمیل ۷ رجب ۱۲۵۳ء مطابق ۱۸۳۴ء ہوئی۔

۵۲ : میر علی اوسط رشک (۱۷۹۷ء تا ۱۸۶۷ء) مشہور شاعر امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کی لغت کا تاریخی نام ''نفس اللغۃ'' ہے جس سے ۱۲۵۶ء نکلتا ہے۔ ۱۵۰ صفحات پر مشتمل اس لغت کو نشتر کاکوروی نے نیّر پریس لکھنو سے شائع کیا اور رشک کے حالات زندگی بھی اس میں قلمبند کیے۔ رشید حسن خان کے مطابق یہ

لغت صرف ''ت'' تک مکمل ہو سکی۔ اس سلسلے میں خان صاحب مذکور نے ''مکاتیب امیر مینائی'' کا حوالہ دیا ہے کہ امیر نے ایک خط میں لفظ ''مسالا'' کی ذیل میں رشک کی اس لغت کی عبارت لکھی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لغت کم از کم 'م' تک مکمل ہوگی۔ (رشید حسن خان۔ زبان وقواعد ۱۸۳)۔

۵۳ : ڈاکٹر عبدالحق۔ مقدمہ لغت کبیر اردو ۳۸، ۱۹۷۳ء بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی ۵۰۔

۵۴ : مقدمہ ''نفس اللغۃ'' ۳، بحوالہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی۔ لکھنو کی لسانی خدمات۔ ۳۰۔

۵۵ : بحوالہ ایضاً۔

۵۶ : ڈاکٹر حامد للہ ندوی (لکھنوی کی لسانی خدمات ۵۲) کے مطابق جلال کا سنہ ولادت ۱۸۲۳ء ہے اور سال وفات ۱۹۰۹ء جبکہ محمد رضا انصاری (مقدمہ سرمایہ زبان اُردو) کے نزدیک سال ولادت ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ء، اور سال وفات ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء ہے۔

۵۷ : ''گلشن فیض'' اس کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۹۷ھ نکلتا ہے۔

۵۸ : سید ضامن علی جلال لکھنوی۔ دیباچہ سرمایۂ زبان اردو۔ اتر پردیش ازدو اکادمی لکھنو ۱۹۸۷ء۔

# اُردو لغت نگاری میں مستشرقین کا حصّہ

ہندوستان میں فارسی زبان کے عروج اور اردو کی ابتداء کا زمانہ نئی سیاسی سرگرمیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ سولہویں صدی عیسوی سے ہی ہندوستان یورپی سیاحوں، مذہبی مبلغوں، تاجروں اور سیاست کاروں کی نظر میں پوری طرح آچکا تھا، اور کئی یورپی اقوام مثلاً برطانوی، فرانسیسی اور پُرتگالی ہندوستان میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینا چاہتی تھیں۔ اِن سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز اُس وقت ہوا جب پُرتگالیوں نے ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل مالابار پر قدم رکھا۔ چنانچہ یورپی اقوام کی آمد کی ابتدا سے ہی اُسی طرح ترسیل خیالات کا مسئلہ پیدا ہوگیا جس طرح مسلمان فاتحین کی آمد پر اس کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اس دور میں لغت نگاری کی ضرورت شدّت کے ساتھ محسوس ہوئی۔ اس دور کی ابتدا میں جو لغات لکھی گئیں وہ ان مستشرقین (Orientalists) نے اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے ترتیب دی تھیں اور ان کا تفاعل فہرست ہائے الفاظ سے کسی بھی طرح زیادہ نہیں تھا۔ مستشرقین کی ان فرہنگوں کے ابتدا کے بارے میں اب تک اس بات پر اتفاق تھا کہ سورت کے انگریزی کارخانے میں ۱۶۳۰ء میں پہلی چہار لسانی لغت (فارسی ہندوستانی انگریزی، پُرتگالی) لکھی گئی۔ اس لغت کا تذکرہ گریرسن[1] نے مسٹر کورج (Coridge) کی اورینٹل کیٹلاگ (Oriental

Catalogue) کے حوالے سے کیا ہے جو کہ فی الوقت دستیاب نہیں ہے۔ لیکن زمانۂ حال کی تحقیق سے سورت والی لغت سے بھی قدیم ایک لغت کے بارے میں معلوم ہوا ہے جو کہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے ایک مستشرق شاگرد نے دریافت کی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صدیقی کے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں۔

"....لیکن ہندوستانی، فارسی، پرتگالی کی ایک اور لغت کا پتہ چلا ہے جو ۱۵۹۹ء سے قبل کی تصنیف یا تالیف ہے۔ اس کے مصنف یا مولف کا نام جیرونیمو خاویر (Jeronimo Xavier) ہے۔ یہ جہانگیر کے دربار میں بھی حاضر ہوئے اور آگرہ میں بھی Company of Jesus میں شریک تھے۔ ان کے قیام کا زمانہ ۱۵۸۴ء اور ۱۶۱۵ء کے درمیان کا ہے۔ کتاب کا عنوان Hindustani Persisch Portugiesisch یا Vocabularium Portugalico Hindustano Persicum ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ لندن کے King's College کے کتب خانہ میں دستیاب ہو گیا ہے اور اس کا مائکروفلم حاصل کر کے ڈاکٹر جان جوزف، جن کا تعلق کراچی میں Christ the king seminary سے ہے اور جو میری نگرانی میں اردو میں عیسائیوں کا حصہ کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے تحقیقی کام کر رہے ہیں، اس لغت کو مرتب اور شائع

کر رہے ہیں۔ یہ گویا اردو کی قدیم ترین سہ لسانی لغت ہوگی جو اب دستیاب ہوگی''۔[۲]

گریرسن[۳] ہی نے ایک اور قدیم لغت کے بارے میں لکھا ہے جو کیپوچن راہب فرانسیس کس تیورنی کی تالیف ہے اور جو تقریباً ۱۷۰۴ء میں لکھی گئی تھی۔ اس لغت کی دو جلدیں تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اور اب روما کی پروپیگنڈا لائبریری میں موجود ہے۔ ایک اور قدیم لغت کا تذکرہ ڈاکٹر عبدالحق[۴] نے کیا ہے جو پروشیا کے ایک باشندے جان جوشوا کٹلر[۵] (Joshuas Axtelor) کی ۱۷۱۵ء کی تالیف ہے۔ یہ لاطینی زبان میں ہے اور اصل میں یہ صرف ونحو کی کتاب ہے جس کو ڈیوڈمل نے ۱۷۴۳ء میں شائع کیا۔ اس میں ہندوستانی الفاظ ومحاورات رومن حروف میں دیے گئے ہیں اور املا ڈچ طریقے پر ہے[۶]۔ سترھویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں اس قسم کی اور بھی کئی ابتدائی فرہنگیں لکھی گئیں جو یا تو مستشرقین کی نجی ضروریات کے تحت یا مذہبی، تبلیغی اشاعت کے سلسلے میں تالیف کی گئیں۔ ان میں انتونیو داسلدانہ[۷] (Antanio de Saldanha) کی دعاؤں کی کتاب Rosas (قبل از ۱۶۶۳ء) ہے جس میں ہندوستانی لغات بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ اگناشیوا کارمونے[۸] (Agnacio Arcamone) کی قواعد کی کتاب بھی ہے جس میں لاطینی، کانکنی لغت اور دکنی زبان کی خصوصیت پر ایک مضمون شامل ہے۔ اسی عہد کے ایک اور مشنری جان دیپیڈوزا[۹] (S.J. de Padoza) (۱۶۴۰ء تا ۱۶۷۲ء) کی تالیف Inistrue - Sam Pava Comfissa & Sacramontal En Lingua

Indostantion بھی قابل ذکر ہے جو سترہویں صدی کے وسط کی ہندوستانی زبان کی لغت کا ایک نمونہ ہے۔ اسی طرح جارج ہیڈلے کی [۱۰] صرف ونحو مع فرہنگ انگریزی ومورد (اُردو) ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی جس میں اردو الفاظ فارسی رسم خط میں لکھے گئے ہیں۔ یہ لغت سات بار مع اضافہ وترامیم شائع ہوئی۔ اس کا آخری ایڈیشن تصحیح واضافہ کے بعد ۱۸۰۹ء میں لندن سے شائع ہوا۔ ایسی مزید لغات میں جارج فرگوسن کی انگریزی، اردو، اردو۔ انگریزی لغت A Short Dictionary of The Hindustani Language (۱۷۷۳ء) اور ہنری ہیریس کی انگریزی۔ ہندوستانی لغت (۱۷۹۰ء مدراس) بھی شامل ہیں۔ اول الذکر لغت انگریزی، اردو اور اردو انگریزی دو حصوں میں منقسم ہے اور اس کے علاوہ اس میں ہندوستانی زبان کے قواعد پر بھی ایک مقالہ درج ہے اور آخر الذکر میں دکنی الفاظ بطور خاص شامل کئے گئے ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں اگرچہ انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا سیاسی تسلط جمانا شروع کیا تھا لیکن انہیں ابھی دلّی کی حکمرانی بلاشرکت غیرے حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ادھر دکن کی سیاسی سرگرمیوں میں فرانسیسی استعمار کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ اس طرح ہندوستان کے حوالے سے انگلستان اور فرانس میں زبردست رسہ کشی پیدا ہوئی۔ نتیجے کے طور پر جہاں انگریزوں نے ہندوستان کے شمال مشرق (خاص طور پر کلکتہ) کو اپنا مرکز بنایا وہیں فرانسیسیوں نے دکن سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ جس طرح دلّی کے تخت پر قابض ہونے میں انگریزوں کی مدد عیسائی مبلغین نے کی اسی طرح فرانسیسیوں

کی مدد کے لیے بھی سیاح اور مبلغین پیش پیش رہے اور شمال ہی کی طرح جنوب میں بھی ایسی کثیر لسانی لغات کی ابتدا ہوئی جن کی ضرورت مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھی۔ لیکن شمال کے برعکس جنوب کی ان لسانی سرگرمیوں کی زندگی بہت کم تھی کیونکہ دلّی پر انگریزوں کے قبضے کے ساتھ ہی فرانسیسیوں کی سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ لسانی اور تبلیغی سرگرمیاں بھی محدود ہو گئیں۔ اٹھارہویں صدی کے وسط ۱۷۵۸ء میں فرانسیسی علماء کی اِن ہی سرگرمیوں کے تحت سیاح انکتل دیو پروں نے کاپوچن مشنری میں ایک چہار لسانی لغت (لاطینی، ہندی، فرانسیسی، اردو) دیکھی[۱۱] اور اس کی نقل تیار کر کے اسے فرانس کے صدر السنۂ شرقیہ کے منتظم سلوستری دساسی کی مدد سے شائع کرنا چاہا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر ایسا نہیں کر سکا۔ بعد میں اسی لغت کو بنیاد بنا کر گارسین دتاسی (Garscin de Tassi) کے شاگرد دولونکل نے ۱۸۷۶ء میں ہندوستانی فرانسیسی، فرانسیسی ہندوستانی لغت کی پہلی قسط شائع کی، لیکن یہ لغت بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ فرانسیسی مشنریوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں کئی اور چھوٹی موٹی فرہنگیں تالیف کیں جن میں گیوسا ماریا (Givsappe Maria de Berninide Gargano) (۱۷۰۹ء تا ۱۷۶۱ء) کی ہندی، لاطینی، اطالوی لغت فادر کاسیانو (Fr, Cassiano da Macerate) (۱۷۰۸ء تا ۱۷۵۸ء) کی اطالوی لغت، اور ترائی گوئی روس (Euganio Trigueiros) (۱۶۸۷ء تا ۱۷۴۱ء) کی کتاب اجزائے ہندوستانی لغت Freagmatode vocalulario de lingua Indostana کے علاوہ سیطافس[۱۲] (

(Stephonus A.SS. Perto et paulo C.D (پیدائش ۱۷۶۶ء) کی ہندوستانی حروف تہجی کی کتاب جس میں قواعد اور لغات کے علاوہ عیسائی عقائد درج ہیں، بھی شامل ہیں۔ موخر الذکر کی ایک اور تصنیف اطالوی، ہندوستانی، ہندوستانی، اطالوی لغت Vocabulario Italiano Indostano and Indostano Italicino بھی قابل ذکر ہے [۱۳]۔ انگریزوں کے ہندوستان پر تسلط کے بعد فرانسیسیوں کا سلسلۂ تالیف لغات سیاسی ضرورتوں کے بجائے محض تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے جاری رہا۔ اس لیے انہوں نے لاطینی، اردو لغات کی تالیف کو جاری رکھا۔ لیکن دوسری طرف برطانوی استعمار کی ہوس ملک گیری نے انگریزوں کو ہندوستانی عوام کی زبان کی طرف توجہ دینے کی تحریک دی۔ جان بارتھوک، گل کرسٹ [۱۴] (John Borthwick Gilchrist) (۱۷۵۹ء تا ۱۸۴۲ء) مستشرقین میں تقریباً پہلا شخص تھا جس نے نہ صرف اس ضرورت کو محسوس کیا بلکہ اس سلسلے میں عملی اقدامات بھی اٹھائے۔ تیئس سال (۲۳ سال) کی عمر میں جوں ہی گل کرسٹ نے پہلی بار بمبئی کے ساحل پر قدم رکھا تو اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہاں کا زوال آمادہ جاگیردارانہ نظام آخری ہچکیوں پر ہے اور انگریز اس ملک پر دیر یا سویر قابض ہونے والے ہیں، اس لیے حکمران طبقے کی کامیابی اس بات میں مضمر ہے کہ وہ اردو ہندی جیسی ملک گیر زبان پر عبور حاصل کریں۔ اس سلسلے میں فتح گڑھ کی فوجی چوکی (جہاں وہ بحیثیت اسسٹنٹ سرجن تعینات تھا) ہی سے اس نے گورنر جنرل وارن ہسٹنگز اور ممبران سپریم کونسل کے نام ۲ر جنوری ۱۷۸۵ء کو عرضی بھیج دی جس میں

ہندوستانی قواعد و لغت کی تالیف کے سلسلے میں رخصت کی استدعا کی گئی تھی اور واضع لفظوں میں ''کمپنی بہادر کے سیاسی و تجارتی مصالح'' اور ''ہندوستانی زبان کی سیر حاصل تحصیل'' پر زور[۱۵] دیا۔ ہندوستانی لسانیات پر کام کرنے کی پہلی کڑی کے طور پر اس کی انگریزی، ہندوستانی لغت English Hindoostanee Dictionary کا پہلا حصہ ۱۷۸۶ء میں[۱۶] اور دوسرا حصہ ۱۷۹۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اس لغت کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۱۰ء میں ایڈنبرا سے شائع ہوا، جس کے سرورق پر گل کرسٹ کے ساتھ تھامس روبک[۱۷] کا نام بھی درج ہے اور اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۸۲۵ء میں لندن سے چھپ گیا۔ گل کرسٹ کی لغت کے پہلے ایڈیشن میں انگریزی الفاظ کے معنی رومن رسم خط کے علاوہ اردو رسم خط میں بھی دیے گئے ہیں جبکہ بعد کے ایڈیشنوں میں صرف رومن خط ہی برقرار رہا۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی[۱۸] کا اس لغت پر یہ اعتراض کہ ہندی کے ہکاری الفاظ کو موجودہ رسم خط میں نہیں لکھا گیا ہے غیر منطقی ہے کیونکہ اس کے بعد کے مصنفین مثلاً غالب کے زمانے میں بھی انہیں ہائے ہوز سے ہی لکھا جاتا تھا۔ مزید ہاشمی صاحب کا یہ کہنا بھی صریحاً غلط ہے کہ رومن خط میں ہکاری الفاظ کے نیچے ہلکی لکیر لگادی گئی ہے کیونکہ ایسی ہلکی لکیریں ہکاری الفاظ کے علاوہ بھی استعمال کی گئی ہیں۔ مثلاً Abandoned کی تشریح میں جہاں ''چھورنا'' (چھوڑنا) کا رومن املا Ch,horna دیا گیا ہے وہیں اسی لفظ کے دوسرے مترادف ''تیاگنا'' کے رومن املا te,agna میں بھی یہ لکیر موجود ہے، حالانکہ یہ ہکاری حرف نہیں ہے۔ اس لکیر کو ہلکے صوتی وقفے کی علامت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے[۱۹]۔ گلکرسٹ نے لغت کے پہلے ایڈیشن میں

روایتی رومن املا بروئے کار لایا تھا جس کی بعد میں ضمیمے میں ترمیم کی گئی۔ مثلاً ''یو'' کی لغت میں نشاندہی ''eu'' سے کی گئی جبکہ ضمیمے میں "Yoo" درج کیا گیا۔ اسی طرح 'یا' 'ea' کے بدلے 'ya' سے ظاہر کیا گیا ہے[۲۰]۔ اس لغت کی تالیف میں گل کرسٹ نے کس قدر محنت کی اس کا اندازہ انگریزی الفاظ کے مترادفات سے ہوتا ہے مثلاً لفظ Honour کے ۳۶ مترادفات Abode کے ۱۴، Matter کے ۲۹ اور Provision کے ۱۶ مترادفات دیے گئے ہیں جن میں اردو کے علاوہ ہندی، سنسکرت، فارسی اور عربی کے الفاظ بھی درج ہیں[۲۱]۔ لیکن مترادفات کی اس کثرت سے جو نقصان ہوا وہ اس لغت کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔ یعنی Projudice کی تشریح کرتے ہوئے وہ اعتقاد، تعصب، رغبت، حسنِ ظن، گرہ وغیرہ میں امتیاز نہیں کر سکا۔ اسی طرح Poem کی وضاحت میں مختلف اصناف مثلاً قطعہ بند، مثنوی، قصیدہ، غزل، ترجیح، بند اور ان کی خصوصیات مثلاً سوز و گداز، پند وغیرہ لکھی گئی ہیں۔ گل کرسٹ نے لغت میں جہاں شواہد کے طور پر سوداؔ، مسکینؔ اور دیگر اساتذہ کے اشعار دیے وہیں روزمرہ کی بول چال سے بھی فقرے اور ضرب الامثال دی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ذاتی قیاس پر بھروسہ کر کے زبردست لغزشوں کا شکار ہوا ہے۔ مثلاً March کی توضیح میں ربیع الاوّل اور September کے مترادف کے طور پر ''ماہ صیام''، ''روزے کا چاند'' بھی لکھ بیٹھا حالانکہ اپنی قواعد میں گل کرسٹ نے عیسوی کلنڈر کا تقابل مختلف شرقی کلنڈروں کے ساتھ کیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایسی غلطیاں بعد کے ایڈیشنوں میں بھی ویسی کی ویسی ہیں۔ ایسی ہی غلطیوں میں ''مون سون'' کو 'موسم' کی

تصریف لکھنا، ملکۂ نور جہاں کو شاہ جہاں کی بیوی قرار دے کر تاج محل کو اس کا مقبرہ کہنا بھی شامل ہیں۔ لیکن اس لغت کا کمزور ترین پہلو وہ متعصّبانہ طرز فکر ہے جس کی وجہ سے ہندوستانیوں اور انگریزوں کو دو مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور نتیجے میں انگریزوں کو ہندوستانیوں سے محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس پہلو کو مدنظر رکھ کر مسعود ہاشمی[۲۲] نے بجا طور پر اسے ''ہدایت نامہ افرنگ'' کہا ہے۔ ان تمام خامیوں اور کجیوں کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ گلکرسٹ نے اردو لغت نویسی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا، خاص طور پر اس میں ہر مترادف کے ساتھ اس کی اصلی زبان کا مخفف دیا گیا ہے مثلاً عربی کے لیے "a" فارسی کے لیے "p" ہندی کے لیے "h" وغیرہ[۲۳]۔

مستشرقین کی تالیف کردہ لغات میں کپتان جوزف ٹیلر کی لغت A Dictionary Hindoostani and English، جو کہ اس نے ۱۸۰۵ء میں ذاتی استعمال کے لیے لکھی تھی، اس وجہ سے اہمیت حاصل کر گئی کہ اسے ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے فورٹ ولیم کالج کے دیگر اساتذہ کی مدد سے ۱۸۰۸ء میں نظر ثانی کے بعد شائع کیا اور اسی کو بنیاد بنا کر جان شکسپیر نے ہندوستانی انگریزی ڈکشنری کا پہلا ایڈیشن ۱۸۱۷ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۸۲۰ء میں شائع کیا۔ اس لغت کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے کئی ایڈیشن یکے بعد دیگرے منظر عام پر آ گئے لیکن ۱۸۳۴ء کا ایڈیشن اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں وہ تمام انگریزی الفاظ اشاریے میں جمع کیے گئے ہیں جو اردو الفاظ کے مترادفات کے طور پر اصل لغت میں درج ہیں۔ ۱۸۴۹ء کے لندن ایڈیشن میں اشاریے کو باضابطہ طور پر لغت (انگریزی اردو) لغت میں تبدیل کیا

گیا[۲۴]۔ اس طرح یہ ہندوستانی۔ انگریزی، انگریزی۔ ہندوستانی یعنی دو لغات ہے۔ شکسپیر کی دو لغات (ہندوستانی انگریزی۔ انگریزی ہندوستانی) کی روایت کو ایک اور مستشرق ڈنکن فاربس (Duncan Forbes) نے مزید توسیع دی۔ فاربس نے ۱۸۴۸ء میں دو حصوں پر مشتمل ایسی ہی دو لغات پہلی بار لندن سے شائع کی۔ فاربس کی محنت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس لغت کے اردو ہندی مآخذات میں مستشرقین کی تصنیفات مثلاً ولیم ہنٹر کی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری (کلکتہ ۱۸۰۸ء) گل کرسٹ کی کتاب Hindee Moral Preceptor (لندن ۱۸۲۱ء) گلیڈون کی فرہنگ Dictionary of Mohamedan Law and Bengal Revenueterms (کلکتہ ۱۷۶۷ء) Eliot H.M کی A Glossary of Indian Terms (آگرہ ۱۸۴۵ء) اور ڈاکٹر آدم کی Hindi Dictionary کے علاوہ ہندوستانی مصنفین کی کتابیں مثلاً ''پریم ساگر'' (ہندی) انوار سہیلی (دکنی) اور قانونِ اسلام (اردو) وغیرہ شامل ہیں[۲۵]۔ اس لغت کے پہلے حصے میں اردو الفاظ اردو رسم خط (نسخ ٹائپ) میں دیے گئے ہیں۔ جبکہ دوسرے حصے میں اردو الفاظ اردو رسم خط کے علاوہ سر ولیم جونز (Sir William Jones)[۲۶] کے وضع کردہ نظام کے مطابق رومن خط میں بھی دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض سنسکرت اور ہندی الفاظ کی دیوناگری خط میں نشاندہی کی گئی ہے۔

عربی حرف ''ع'' اور ''ہمزہ'' کی نشاندہی کے لیے "apostrophe" کی علامت تیر بہ ہدف ثابت ہوئی کیونکہ اردو میں apostrophe "s" کا

کوئی اور تفاعل نہیں ہے۔ مثلاً بعد کا املا ba'd اور فائدہ کا املا Fa'da دیا گیا ہے۔ اسی طرح انفی "ن" کے لیے n̈ (مثلاً آنکھ ānkh) استعمال میں لایا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فاربس نے شیکسپیر کی روایت کو مزید مستحکم کیا اور اس طرح اردو لغت نگاری میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو فیلن (S.W.Fallon) کی لغت Hindoostani English Dictionary (۱۸۸۹ء)[۲۷] بھی اس روایت کی ایک کڑی ہے۔ اس لغت کی سب سے بڑی خوبی نے ہی اسے متنازعہ بنا دیا۔ یہ خوبی ہے اس میں درج بول چال اور عورتوں کی زبان سے لیے گئے الفاظ۔ ان الفاظ کی شمولیت اور ادبی الفاظ کی عدم شمولیت کے جواز میں فیلن خود لکھتا ہے:

"Moulvis and pandits are among the unidiomatic writers of Hindostani and Hindi. Their sole ambition is to acquire a name as Arabic and persion scholar"[۲۸]

اس لیے فیلن نے مضافات کے لوگوں کی زبان، عورتوں کی بولی، گیتوں، کہاوتوں، پہیلیوں اور لوک کہانیوں سے ہی الفاظ لیے اور تحریری ادب میں زیادہ استفادہ نظیر اکبر آبادی سے کیا جو کہ یورپی معیار کی رو سے واحد سچا شاعر ہے لیکن جسے مقامی باشندوں کی لفظ پرستی شاعر ہی نہیں مانتی۔ مقامی بول چال اور روزمرہ کے الفاظ شامل لغت کرتے ہوئے فیلن سے اکثر علمی اور ادبی الفاظ درج ہونے سے رہ گئے۔ جابر علی سید[۲۹] کے مطابق فیلن کا تصور لسان محاورات، ضرب الامثال، چیستانوں اور نسائی لغات تک محدود تھا اور وہ

زبان کے ظرف ادب ہونے کے تصور کو نہیں سمجھتا تھا اور صرف ''عوامی فنڈ'' کو روحِ لسان سمجھتا تھا۔ متداول الفاظ کی عدم شمولیت کو درج ذیل مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

''گونی'' بمعنی مقصد درج ہے لیکن 'کون، جو کون ومکان، اور دیگر تراکیب میں مستعمل ہے اس لغت سے غائب ہے۔ ''ابتذال'' جیسا مشہور دخیل (عربی) لفظ بھی شامل نہیں ہے۔ ''آب'' کے تحت ''آبگینہ'' اور ''آب ریز'' بھی درج ہونے رہ گئے۔ متداول عربی فارسی دخیل الفاظ وتراکیب کی عدم شمولیت دراصل مؤلف کے عوامی بول چال سے قریب ہونے اور عربی فارسی پر دستگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے ان زبانوں کے دخیل الفاظ (جو کہ لغت میں شامل ہیں) کے مآخذ اور تلفظ کے حوالے سے بھی قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ معنی کے اندراج میں اختصار برتنا اور بعض معنوی پہلوؤں کو نظر انداز کرنا بھی اس لغت کی ایک نمایاں خامی ہے۔ ان ہی لغزشوں کی بناء پر اسے وارث سرہندی[۳۰] نے پایۂ اعتبار سے ساقط قرار دیا ہے۔ فحش الفاظ کے اندراج کی وجہ سے بھی یہ لغت زبردست تنازعے کا باعث بن گئی[۳۱]۔ لیکن لغت نگاری کے جدید اصولوں نے اس مفروضہ خامی کو اس کی اصل خوبی قرار دیا ہے۔ مجموعی اعتبار سے ڈاکٹر فیلن کی یہ لغت اردو لغت نگاری کے ارتقاء میں ایک اہم پڑاؤ کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ہی اہم رتبے کی حامل ہے۔ خصوصی طور پر مختلف علاقوں کے تلفّظ کے باریک فرق کو اس میں واضح کیا گیا ہے۔ اسناد وامثلہ کا انگریزی میں ترجمہ اس کی ایک اضافی خوبی ہے جس سے دونوں زبانوں کے طلباء کو زبردست فائدہ ملتا ہے۔

ڈاکٹر فیلن ہی کی ایک اور لغت ''انگلش ہندوستانی ڈکشنری'' اس کی وفات سے قبل "E" تک مکمل ہو چکی تھی جس کو بعد میں J.B. Bates کی نگرانی میں ۱۸۸۳ء میں لندن اور بنارس سے شائع کیا گیا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے انگریزی نظم و نثر کے اقتباسات اور ان کے اردو ترجمے سے مزّین کیا گیا ہے۔ اس طرح انگریزی شاعری کے بہترین انتخاب کا اردو میں منظوم ترجمہ ممکن ہو سکا۔ مزید برآں یورپی آرٹ، فلسفہ اور سائنس کی اصطلاحات کو عام ہندوستانی میں ترجمہ ہو پایا۔ چنانچہ مؤلف نے طویل عرصہ دہلی اور بہار میں بسر کیا تھا جن کو شان الحق حقی نے اردو دنیا کے قطبین قرار دیا ہے، اس لیے کسی لفظ کی صحت یا تشریح کے لیے اُس نے مختلف لوگوں سے استصواب کیا جو کہ اسے دونوں لغات میں کام آیا۔ اس لغت (انگلش، ہندوستانی ڈکشنری) کی سب سے بڑی خامی اُردو مترادفات کو اردو کے بجائے رومن رسمِ خط میں لکھنا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ لغت انگریزوں کے لیے لکھی گئی تھی اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے زمانے کے مخصوص حالات میں یہ اس کی خوبی تھی جو کہ بعد میں اس کی کجی میں تبدیل ہو گئی[۳۲]۔ گل کرسٹ جیسے جید ماہر لسانیات نے بھی اپنی لغت کے طبع ثانی میں اردو مترادفات کو اسی بنیاد پر رومن رسم خط میں لکھا تھا۔

ادبی اور علمی الفاظ کے عدم اندراج کو فیلن کی ''نیو ہندوستانی ڈکشنری'' کے صرف پانچ سال بعد جان۔ ٹی پلیٹس[۳۳] کی مبسوط لغت[۳۴] A Dictionary of Urdu classical Hindi & English نے نہ صرف پورا کیا بلکہ آئندہ کے لغت نگاروں کے لیے بھی نئی راہیں متعین

کیں۔ ہر چند کہ پلیٹس نے شکسپیئر کی لغت پر اپنی لغت کی بنیاد رکھی لیکن گزشتہ لغت نگاروں (بشمول شکسپیئر) کو جس طرح آڑے ہاتھوں لیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پرانی لغات کی عدم افادیت سے پوری طرح واقف تھا۔ پلیٹس نے گزشتہ لغت نگاروں کی فروگزاشتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً فاربس کی لغت اس لیے ناکافی ہے کہ اس کی تالیف کے بعد اور بھی نئے الفاظ وجود میں آئے ہیں، نیز مرّوج لفظوں کے معانی میں اضافہ ہوا ہے۔ یا بیٹس (Bates) کی لغت میں متجانسات کو ایک ہی اندراج میں درج کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ یہ لغت ماخذ لسانی کا تعین نہیں کر سکتی تھی۔ اسی طرح فیلن کی لغت کی ادبی گریز پائی اور بعض اہم الفاظ و محاورات کی عدم شمولیت اس کی افادیت میں حائل ہے۔ پلیٹس نے اپنی لُغت کی تالیف کی جوازیت میں یہ بھی واضح کر دیا کہ ماقبل کے لغت نگاروں نے جنس اور تعداد کی نشاندہی کے حوالے سے زبردست ٹھوکریں کھائی ہیں اور جار مؤخر (Post Position) کی تبدیلی سے ہونے والی معنیاتی تغیّر کی وضاحت بھی نہ کر سکے۔ لغت کا دیباچہ[۳۵] لغت کے منصوبے کے علاوہ گزشتہ لغات کی بھرپور تنقید کا بھی درجہ رکھتا ہے۔

پلیٹس کی لغت اصل میں اردو، انگریزی لغت ہے اور ہندی اس کی ضمنی اور ثانوی حیثیت ہے کیونکہ اندراجی لفظ اردو ہے جس کو دوسرے کالم میں دیوناگری رسم خط میں لکھا گیا ہے۔ لیکن عربی فارسی کے دخیل الفاظ کو ناگری خط میں نہیں لکھا گیا (مولوی عبدالحق[۳۶] سے تسامح ہوا ہے کہ تمام الفاظ کو ناگری خط میں بھی لکھا گیا ہے)۔ اس کے بعد انگریزی میں اس کے معنی اور مصادر پر

روشنی ڈالی گئی ہے اور اندراجی لفظ (راس لفظ) سے بننے والے محاورے درج کئے گئے ہیں۔ اندراجات کی ترتیب میں یہ لغت جدید لغت نگاری کے نقیب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں مفردات کے علاوہ لاحقوں سے بننے والے مرکبات کو اندراج (راس لفظ) کی حیثیت دی گئی ہے۔ مثلاً زمین اور اسکے لاحقوں سے بننے والے مرکبات زمیندار، زمینداری وغیرہ۔ لیکن مفرد الفاظ سے بننے والے مرکبات اور محاورات وغیرہ کو راس لفظ کے ذیلی اندراجات کے طور پر درج کیا گیا ہے جبکہ سابقوں (Prefixes) کے سلسلے میں نوعیت اس کے برعکس ہے۔ یعنی سابقہ کو اندراجی حیثیت دے کر اس سے بننے والے الفاظ کو ذیلی اندراجات کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ مثلاً ''بے'' کو راس لفظ مان کر بے رنگ، بے کیف وغیرہ کو ذیلی اندراجات کے تحت رکھا گیا ہے۔ اسی طرح معنی کی بنیاد پر بھی الفاظ کا اندراج کیا ہے۔ یعنی یکساں املا لیکن مختلف تلفظ اور معنی کی بنیاد پر الفاظ کو الگ الگ درج کیا گیا ہے۔ مثلاً مظہر (اسم فاعل بمعنی ظاہر کرنے والا) مظہر (اسم مفعول بمعنی ظاہر کیا ہوا) اور مظہر (اسم ظرف بمعنی ظاہر ہونے کی جگہ) کو الگ الگ راس لفظ مانا گیا ہے۔ حالانکہ ان کا مادّہ ایک ہی ہے اور ان کی ایک ہی لفظ کے ذیل میں وضاحت ہوسکتی ہے۔ تلفظ کی مختلف علاقوں اور طبقوں کے حوالے سے الگ الگ نشاندہی کی گئی ہے۔ سب سے پہلے معیاری (Standard) اس کے بعد عوامی (Vulgar) اور حسبِ ضرورت اس کی بگڑی ہوئی شکل (Corrupt) بھی دی گئی ہے۔ معنی کی وضاحت کے ضمن میں یہ لُغت استناد کا درجہ رکھتی ہے اس میں ہر لفظ کے مختلف معنی یا معنوی پہلوؤں کی صراحت ملتی ہے۔ مثلاً ''آب''

بمعنی پانی اور بمعنی ''چمک'' وغیرہ۔ اس کے علاوہ معنیاتی تصرفات کی بھی وضاحت ملتی ہے۔ مثلاً ''صلوٰۃ'' بمعنی نماز اور تصرف شدہ ''صلواتیں'' بمعنی گالیاں۔ یا ''لن ترانی''[۳۷] کے حوالے سے اس کے شانِ نزول کے ساتھ ساتھ اس کی معنوی تصریف بمعنی ''ڈھینگ مارنا'' بھی دیا گیا ہے۔ پلیٹس کی ان ہی خصوصیات کی بناء پر ڈاکٹر حنیف کیفی[۳۸] کی رائے ہے کہ یہ لغت لغت سازی کے سائنسی اصولوں کی بدولت نہ صرف انگریزی کے زبان دانوں بلکہ اردو کے اہل زبان کے لیے بھی ایک نمونہ ہے۔

پلیٹس کی یہ لغت ہر لحاظ سے گذشتہ لغات کے مقابلے میں مبسوط ہے۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور دیگر دخیل الفاظ کو مختلف معنیاتی پرتوں سمیت داخل کرنے میں اس کی ضخامت میں زبردست اضافہ ہوا لیکن ضخامت میں توازن برقرار رکھنے میں باریک ٹائپ نے اہم رول ادا کیا۔ ان تمام خصوصیات کے باوصف جس چیز نے اسے اردو لغت نگاری میں بقائے دوام عطا کیا وہ ہے لفظوں کے لسانی مآخذ (Etymology) کا تعین۔ ہر چند کہ گزشتہ لغت نگاروں نے مخففات کے ذریعے دخیل الفاظ کی اصل کی طرف اشارہ کیا تھا لیکن پلیٹس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر لفظ کے مختلف ارتقائی مدارج پر پوری روشنی ڈالی۔ اس میں انگریزی الفاظ کے مآخذات کے سلسلے میں یونانی اور لاطینی تک، عرب الاصل کے سلسلے میں عبرانی تک، فارسی کے حوالے سے قدیم پہلوی تک اور ہندی الاصل کے سلسلے میں سنسکرت تک دیدہ ریزی کے ساتھ کھوج لگائی گئی ہے۔ مآخذ کی نشاندہی کے لیے انگریزی حروف تہجی بروئے کار لائے گئے ہیں۔ مثلاً فارسی کے لیے "F" عربی کے لیے "A"

سنسکرت کے لیے "S" ہندوستانی کے لیے "H" اور ترکی کے لیے "T" وغیرہ۔ مآخذات کی چھان بین میں پلیٹس کی محنت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں ہندی الفاظ کے اشتقاق کی کھوج بیمز[۳۹]، ہیم چند[۴۰]، پروفیسر کول[۴۱]، پروفیسر ہارفلے[۴۲] وغیرہ کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہیں عربی مآخذات کے سلسلے میں کیمبرج یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے پروفیسر Wright سے استفادہ کیا گیا ہے۔ فارسی الاصل الفاظ کی نشاندہی میں Juti[۴۳] اور Yullers[۴۴] کی کتب سے کسب فیض کیا۔ وارث سرہندی[۴۵] نے قیاس ظاہر کیا ہے کہ فارسی کے حوالے سے ''برہان قاطع'' سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس لغت میں بعض عربی الاصل الفاظ پر فارسی کا ٹھپہ لگانے کے جواز میں ڈاکٹر امیر اللہ شاہین[۴۶] نے لکھا ہے کہ پلیٹس نے شیکسپیر کا یہ اصول اپنایا تھا کہ ''جو لفظ جس زبان میں استعمال ہو، چاہے وہ اپنی اصل کے لحاظ سے کسی اور خانوادے سے تعلق رکھتا ہو، اسی زبان کا کہلائے گا جس میں وہ زیادہ مستعمل ہو''، لیکن پلیٹس نے یہاں بھی ترمیم کی اور قوسین میں اس کی اصل کی طرف روشنی ڈالی مثلاً حسرت، کو فارسی مان کر قوسین میں لکھا ہے۔ For Arabic حَسرَۃ Infinitive Noun of حَسَرَ "To grieve for"۔

پلیٹس کی محولہ بالا خوبیوں کے باوصف اس پر اعتراضات بھی کیے گئے ہیں۔ علوم شعری سے پلیٹس کی عدم واقفیت کی بناء پر وارث سرہندی یہ کہنے سے بھی نہیں ہچکچائے۔

> ''علوم شعری میں عدم مزاولت کی بری مثال ہے۔ اصناف سخن کا صحیح درک اس میں مفقود ہے۔ یہ اس کا کمزور ترین

پہلو ہے''[۴۷]

اس کے علاوہ اس میں گزشتہ لغات کی تقلید میں وہی اعرابی نظام بروئے کار لایا گیا ہے جسے وارث سرہندی[۴۸] نے فرسودہ کہہ کر اس لغت کے چہرے پر بدنما داغ قرار دیا ہے۔ شیکسپئر اور دیگر لغت نگاروں نے بھی املا میں یائے معروف (ے) کے بجائے یائے مجہول (ی) استعمال کی تھی[۴۹]۔ اور اس کے تقریباً نصف صدی میں پلیٹس نے 'بارے' کے بجائے 'باری' لکھا جس سے معنی میں بھی تبدیلی واقع ہوئی۔ مجموعی طور پر پلیٹس کی لغت اس ارتقاء کا نقطہ عروج ہے جس کی ابتداء یورپی مشنریوں نے سولھویں صدی کے وسط میں کی تھی۔ لیکن اس لغت کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ گزشتہ لغت نگاروں کے برعکس پلیٹس کا مقصد نہ سیاسی اور نہ تجارتی تھا بلکہ اُس نے کلی طور پر تعلیمی اور لسانی مقاصد کو مدِ نظر رکھ کر ہی اتنی وسیع مبسوط اور معروضی بنیادوں پر لغت تالیف کی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی اردو میں کئی اور دولسانی لغات منظر پر آ گئیں یا آ رہی ہیں[۵۰] لیکن وہ پلیٹس کی خوبیوں میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کر سکیں۔ حاصل بحث یہ ہے کہ گل کرسٹ، فاربس، فیلن اور آخر پر پلیٹس کی لغات نے اردو کی ایک لسانی لغات کے لیے راہیں ہموار کیں لیکن مستشرقین کے زمانے میں بھی اردو فارسی لغات وقفوں کے بعد منظر عام پر آتی رہیں۔ علاوہ بریں اردو، اردو لغت نگاری کے ابتدائی نقوش بھی اسی زمانے میں سامنے آنے لگے۔

## حواشی:

۱: Linguistic Servey of India Vol-IX, Grierson ۔۸

۲: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ مقدمہ اردو لغت کراچی ۱۹۷۳ء۔

۳: گریرسن۔ متذکرہ۔ ۸

۴: ڈاکٹر عبدالحق۔ مقدمہ لغت کبیر اردو کراچی ۱۹۷۳ء

۵: مسٹر کٹیلر شاہ عالم اور جہاں دار شاہ کے درباروں میں ڈچ سفیر کی حیثیت میں تھا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (مقدمہ اردو لغت کراچی) کے مطابق ۱۷۴۱ء میں ایک مصنف شلز نے ہندوستان قواعد (Grammatica Indostanice) لکھی اور اس کے پیش نظر کیٹلر کی تالیف بھی تھی۔

۶: غلام ربانی۔ الفاظ کا مزاج۔ ۱۳۱

۷: ڈاکٹر ابوللیث صدیقی۔ مقدمہ اردو لغت کراچی جلد اول۔ ڈاکٹر صدیقی کے مطابق اس کا قلمی نسخہ سینٹ لسبوا (St. Lisboa) کے قومی کتب خانے میں موجود ہے۔

۸: ایضاً۔ اگنا شیو کی ولادت ہاڑی میں ۱۶۱۵ء میں ہوئی اور ۱۶۳۱ء میں وہ سوسائٹی آف جیسس (Society of Jesus) میں شامل ہوا۔ اس کی وفات ۳۰/اپریل ۱۶۸۳ء کو ہوئی۔ اگنا شیو کی متذکرہ کتاب کا قلمی نسخہ ڈاکٹر صاحب مذکور کے مطابق سینٹ لسبوا کے کتب خانے میں زیر نمبر B.No.L-1-16 موجود ہے۔

۹: ایضاً۔

۱۰: ڈاکٹر عبدالحق۔ مقدمہ ''لغت کبیر'' اردو کراچی ۱۹۷۳ء۔

جارج ہیڈلے کی اس لغت کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا ایڈیشن بالترتیب ۱۷۷۴ء، ۱۷۸۴ء اور ۱۷۹۷ء میں شائع ہوئے۔ مرزا محمد فطرت لکھنوی نے اسے پانچویں بار اضافہ و ترمیم کے ساتھ ۱۸۰۱ء میں شائع کیا۔ ۱۸۰۹ء میں چھٹی بار اس کی اشاعت ہوئی۔

۱۱: پروفیسر ثریا حسین۔ گارسین دتاسی (Garcian de Tassi) ۱۹۸۰ء، اتر پردیش (اردو اکادمی لکھنو ۱۹۷۴ء) ثریا حسین کے مطابق یہ لغت اصل میں کہیں سے پاپائے روم کے پاس بطور تحفہ پہنچی تھی اور انکتل دیو پروں نے ان ہی سے مستعار لی اور اس کی نقل تیار کی۔ اس کا قلمی نسخہ پیرس کی قومی لائبریری کے کیٹلاگ نمبر ۸۳۹ میں موجود ہے۔ انکتل اسی قسم کی ایک لغت قلمبند کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ۱۷۷۸ء میں انقلاب فرانس کے ہنگامی حالات سدِ راہ ہوئے اور ۱۸۰۵ء میں اُن کا انتقال ہوا۔

۱۲: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ مقدمہ اردو لغت (کراچی) جلد اول۔ ص

۱۳: ایضاً۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق اس کا قلمی نسخہ الہ آباد کے مسیحی کتب خانے میں موجود ہے۔

۱۴: گل کرسٹ ۱۷۵۹ء میں ایڈنبرگ میں پیدا ہوئے اور اپنے وطن کے George Herriots Hospital میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ ہندوستان آنے سے پہلے کچھ عرصہ ویسٹ انڈیز میں بسر کیا۔ ۱۷۸۲ء میں ہندوستان آنے کے بعد فوج میں بحیثیت اسسٹنٹ سرجن بھرتی ہوئے۔ فتح گڑھ، غازی پور اور کلکتہ میں گھومنے کے دوران اپنی لغت اور قواعد تحریر کیں۔ لارڈ ویلزلی کی سرپرستی میں گل کرسٹ نے (oriental seminary) کا قیام عمل میں لایا جہاں حکومت برطانیہ کے نو وارد سول افسروں کو اردو فارسی اور دیگر مشرقی زبانیں سکھائی جاتی تھیں۔ یہ مدرسہ ٹیپو سلطان کی سرنگا پٹنم میں شکست کی خوشی میں ۱۰؍جولائی ۱۸۰۰ء کو فورٹ ولیم کالج میں تبدیل ہوا اور گلکرسٹ کو اس میں اردو کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا گیا اور وہیں ان کی نگرانی میں اردو کتب کی تصنیف و تالیف کا عمل شد و مد سے شروع ہوا۔ گلکرسٹ کے عہد کو اردو کا سنہری باب تصور کیا جاتا ہے۔ ۱۸۰۴ء میں گل کرسٹ مستعفی ہو کر اپنے وطن چلے گئے۔ ان کی تاریخ وفات محمد عتیق صدیقی (گل کرسٹ اور اسکا عہد) کے مطابق ۱۸۴۸ء جبکہ قدوائی کے مطابق ۱۸۴۲ء ہے۔

۱۵: O.C. Home مشمولہ رسالہ Public ۲۶؍جنوری ۱۷۸۴ء شمارہ ۱۴۰ بحوالہ

عتیق احمد صدیقی ۴۳۔

۱۶: ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے گل کرسٹ کی لغت کا سنہ اشاعت ۸ے۷۱ء لکھا ہے جبکہ گل کرسٹ کی ہندوستان میں آمد کا سال ۸۳ے۷۱ء ہے اور اس سے پہلے جیسا کہ مذکور ہوا وہ ویسٹ انڈیز میں اقامت پذیر تھے۔ عتیق احمد صدیقی کے مطابق ڈاکٹر مختار الدین احمد (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) کے ذاتی کتب خانے میں اس لغت کی دونوں جلدیں موجود ہیں۔

۱۷: تھامس روبک کمپنی کے افواج مدراس میں لیفٹنٹ کے عہدے پر فائز تھے اصل میں گلکرسٹ اور روبک کا منصوبہ ہندوستانی انگریزی لغت کی تالیف تھا لیکن بعض مشکلات کی بناء پر انہوں نے گلکرسٹ کی لغت کی از سر نو ترتیب پر ہی اکتفا کیا۔ کپتان تھامس روبک نے انفرادی طور پر لغت جہاز رانی ۱۸۱۱ء میں تالیف کی۔

۱۸: ڈاکٹر مسعود ہاشمی اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ۔ ۵۴۔

۱۹: محمد عتیق صدیقی کی کتاب ''گل کرسٹ اور اسکا عہد'' کے صفحہ ۶۲ پر اس لغت کے پہلے صفحے کا فوٹو دیا گیا ہے۔

۲۰: Gilchist & Language of Hindoostan, Sidiq-ur-Rehman Qidwai۔ ۱۱۹

۲۱: Gilchrist & Language of Hidoostan - Sidiq-ur-Rehman Qidwai۔۱۰۶۔۱۰۷

۲۲: ڈاکٹر مسعود ہاشمی ۵۵۔۵۶ مثلاً Thow (تُو) کی تشریح میں گلکرسٹ نے کمپنی کے افسران کو ہدایت دی ہے ''ہمارے نوکر چاکر اور دیسی سپاہی اردو سے ہماری ناواقفیت کے باعث بڑا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنے مالکوں سے ''تو تکار'' کر کے بات کرتے ہیں حالانکہ وہ آپس میں ایسا نہیں کرتے۔ اس سے ان کا مقصد اپنی شان دکھانا اور اپنے بھائی بندوں اور کسانوں پر رعب جمانا ہے۔ راجپوت لوگ جن کو اپنی ذات پر گھمنڈ ہے خاص طور پر اس شرارت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی دیسی سپاہی کسی انگریز افسر کے ساتھ اس

طرح بدتمیزی سے پیش آئے تو اس کو یہ الفاظ کہہ کر ڈانٹ دینا چاہیے ''ابے تو خبردار رہو ہم سے جوتوں تاں جو کدھی پھر کری تو تو خوب مار کھائے گا....''

۲۳: یہ مخففات انگریزی علامات میں ہیں نہ کہ عربی، فارسی رسم خط میں جیسا کہ ڈاکٹر ہاشمی نے (۵۳، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ) لکھا ہے کہ ''اردو الفاظ کی اصل کی طرف ابتدائی حروف 'ع' 'ف' یا 'ہ' سے نشاندہی کی گئی ہے''۔

۲۴: موسیو گارسان وتاسی نے بھی چوتھے ایڈیشن میں شیکسپیئر کی مدد کی تھی۔ دتاسی ہی کے مطابق چوتھے ایڈیشن میں ۵۳۰۰۰ الفاظ ہیں۔ جبکہ تیسرے ایڈیشن میں ۴۵۹۰۰ الفاظ و محاورات تھے۔ اس کا چوتھا ایڈیشن پیل ہیم رچرڈسن ۲۳ کارن ہل نے شائع کیا تھا۔ دتاسی کے کتب خانے میں اس ایڈیشن کا ایک نسخہ موجود تھا جس میں شکسپیئر کے لکھے ہوئے حواشی اور ایک خط بھی شامل ہے۔ متذکرہ کتب خانے میں اس لغت کا نمبر ۱۲۳۴ تھا لیکن یہ کتب خانہ ۱۸۸۹ء میں نیلام ہوا۔ اس لغت کو ۱۹۸۰ء اور پھر ۱۹۸۶ء میں سنگ میل پبلی کیشنز نے مزید تراamیم اور اضافوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۵: A Dictionary Part -I, Hindoostani English - Part-II English & Hindustani- Duncan Forbes۔ اتر پردیش اردو اکادمی ۱۹۸۷ء)۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (اردو لُغت کراچی (اول ص) نے ڈنکن فاربس کی ایک تالیف کے ایک نسخے کا حوالہ دیا ہے جس پر A New Edition درج ہے جو کہ ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق اس میں قواعد کے مختلف ابواب کے علاوہ چند حکایات بھی درج ہیں۔ اس کے آخر میں ۴۰ صفحات پر مشتمل ایک لغت بھی ہے جس میں اردو الفاظ کا تلفظ رومن رسمِ خط میں اور معنی انگریزی میں ہیں۔ اس میں صرف ''د'' کے تحت ۱۷۴ اندراجات ہیں۔ اس کے علاوہ مولف نے میر امن کی تصنیف ''باغ و بہار'' کو رومن حروف میں مرتب کیا تھا اور اس کے آخر پر اس کتاب کے مشکل الفاظ کی بھی فرہنگ شامل ہے۔

۲۶: سر ولیم جونز (۱۷۴۶ء تا ۱۷۹۴ء) مستشرقین میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس

نے کالیداس کی ''شکنتلا'' کا ترجمہ کر کے یورپ والوں پر سنسکرت کی قدامت پہلی دفعہ واضح کی۔

۲۷: فیلن ۱۸۱۷ء میں کلکتہ پیدا ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی اور انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے تک پہنچے۔ بعد میں جرمنی کی Halle یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی اور ۱۸۷۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں انگلستان چلے گئے اور وہیں اکتوبر ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا۔ فیلن کی دیگر لغات میں An English Hindoestani law and Commertial Dictionary (کلکتہ ۱۸۵۸ء) خصوصی طور پر قابل ذکر ہے جس کو ۱۸۸۸ء میں فیلن کے میر منشی اور حکومت بنگال کے نائب مترجم نے نظر ثانی کے بعد شائع کیا۔ فیلن کی نیو ہندوستانی انگلش ڈکشنری اردو کے نظم ونثر کے اقتباسات سے مزّین ہے۔ مولف نے انگریزی نظم کا ترجمہ بھی منظوم اردو میں کیا جس سے انگریزی ادب کا انتخاب اردو میں ترجمہ ہوا۔

۲۸: A New Hindustani English Dictionary S.W. Fallon ۔ بنارس۔ ۱۸۷۹ء۔

۲۹: جابر علی سیّد۔ کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ۔ (اول) ۲۰۔۲۱

۳۰: وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ (دوم) ۱۸۔

۳۱: ڈاکٹر فیلن کے اسٹاف میں مولوی سید احمد دہلوی (صاحب فرہنگ 'آصفیہ') بھی شامل تھے۔ مولوی صاحب پر فحش نگاری کے سلسلے میں فیلن کی تقلید کا الزام لگایا گیا ہے۔ (تفصیل آگے ہوگی) مولوی صاحب کے علاوہ فیلن کے اسٹاف میں منشی چرنجی لال (صاحب مخزن المحاورات) اور دیگر اہل زبان شامل تھے۔

۳۲: ۱۹۸۷ء میں وارث سرہندی نے اردو سائنس بورڈ لاہور (سابق مرکزی اُردو بورڈ) کے اشاعتی پروگرام کے تحت اس لُغت کو از سر نو مرتب کیا اور اُردو مترادفات کو اُردو رسم خط میں منتقل کیا، اس کے علاوہ انگریزی کی جدید لغات کو زیر نظر رکھ کر اس میں مزید اضافہ کیا اور اضافے کے الفاظ کے اوپر * کا نشان لگایا تاکہ واضح ہو کہ یہ الفاظ فیلن کی لغات میں شامل نہیں ہیں۔

۳۳: پلیٹس John Thomson Plates کا سنہ ولادت Dictionary of Indian Biography (لندن ایڈیشن ۱۹۰۶ء۔ ۳۲۷) کے مطابق ۱۸۳۰ء ہے اور سنہ وفات ۱۹۰۴ء ہے۔ پلیٹس کی دیگر تصانیف میں فارسی گرائمر پر جزوی کام اور فارسی مضامین کا ترجمہ ہے۔

۳۴: یہ لغت ۱۸۸۴ء میں لندن سے شائع ہوئی اور یہ ۱۲۵۴ دو کالمی صفحات پر مشتمل ہے۔ (بحوالہ وارث سرہندی، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ دوم ۱۳) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔ ماسکو سے بھی کچھ عرصہ قبل دو حصوں پر مشتمل اسے شائع کیا گیا۔ اس کا تازہ ترین ایڈیشن ۱۸۸۳ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔

۳۵: A dictionary of Urdu classical Hindi & English - Plates دیباچہ ۱۴ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۸۶۰ء۔

۳۶: لغت کبیر اردو۔ کراچی ۱۹۷۳ء۔

۳۷: جب حضرت موسیٰ نے اللہ سے ''رب ارنی'' یعنی اے اللہ مجھے اپنا جلوہ دکھا کہا تو اللہ نے فرمایا ''لن ترانی'' یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ پلیٹس کی لغت میں نہ صرف سورت کا حوالہ ہے بلکہ پورا عربی جملہ دیا گیا ہے۔

۳۸: ڈاکٹر حنیف کیفی۔ مشمولہ لغت نویسی کے مسائل۔ ۱۴۹

۳۹: A Comperative Grammer of the Modern Aryan Languages of India

۴۰: پراکرت گرائمر۔

۴۱: ورچی کی پراکرت پرکاش (Prakrita Prakash - Vararuci)

۴۲: Collection of نیز Essays on Guadian Language Hindi Roots

۴۳: Hand Book Den

۴۴: Institutions Pinguac Persiaca

۴۵: کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ) (اول) ۱۳

۴۶: ڈاکٹر امیر اللہ شاہین۔ تخلیق و تنقید ۶۲۔ موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۸۶ء۔

۴۷: وارث سرہندی۔ کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔ (اول) ۱۳۔

۴۸: ایضاً۔ ۱۶۔

۴۹: مثلاً شیکسپیر نے سودا کے اس شعر میں ''دے'' کے بجائے ''دی'' املا لکھا تھا۔

یہ نہیں دریا کہ جس سے گزریں پُل باندھ کر
موجِ چشم عاشقان دی توڑ پل میں پُل کے پل

۵۰: مثلاً یونانی اردو لغت مرتبہ ریونڈ ایونگ (لدھیانہ ۱۸۷۸ء) ہندوستانی محاورات والفاظ کی لغت مرتبہ کرنل فیلبس (لندن ۱۸۹۲ء) انگریزی اردو ڈکشنری مرتبہ ایل ٹھابرن (کلکتہ ۱۸۹۸ء) انگریزی اردو جیبی ڈکشنری۔ مرتبہ میجر چپ مین (پارک ٹاون ۱۹۰۴ء) (بحوالہ عبدالحق۔ مقدمہ لغت کبیر اردو کراچی) ان کے علاوہ اردو کشمیری فرہنگ (مرتبہ کلچرل اکادمی جموں و کشمیر) جیسی اردو اور علاقائی زبانوں کی لغات بھی مرتب کی گئیں۔ بدیسی ممالک میں بھی ایسی لغات مرتب ہو رہی ہیں۔ مثلاً ازبکستان کے انسٹی چیوٹ آف اورینٹل لنگویجز میں ''اردو ازبک لغت'' آزاد شماتوف کی نگرانی میں مرتب ہو رہی ہے۔ (آزاد شماتوف، بی۔ بی۔ سی نشریہ ۶ رمئی ۱۹۹۲ء رات نو بجے)۔

# اردو لغت نگاری کا عہدِ زرّیں

اردو فارسی لغات چنانچہ لغت نگاری کے کسی منضبط اصول کے بغیر ترتیب دی گئیں تھیں لیکن مستشرقین کی وجہ سے اردو لغت نگاری میں با قاعدگی اور اصول بندی کی کوششیں کی گئیں۔ اس طرح اُردو لغت نگاری تین سطحوں پر جاری تھی۔ پہلی سطح پر اردو فارسی لغت نگاری اور دوسری سطح پر اردو انگریزی فرہنگ نویسی ہو رہی تھی اور تیسری سطح پر اردو، اردو لُغات کا آغاز ہو رہا تھا۔

اس دوران اگرچہ اردو فرہنگیں شائع ہوتی رہیں لیکن وہ ابھی مصطلحات اور امثال پر مبنی تھیں جن میں امام بخش صہبائی کی صرف ونحو پر مبنی تصنیف [1] مولوی محمد نجم الدین کی ''نجم الامثال'' (۱۸۷۵ء) [2] نیاز علی بیگ نکہت کی ''مخزن فوائد'' [3] (۱۸۸۶ء) منشی چرنجی لال کی ''مخزن المحاورات'' [4] (۱۸۸۶ء) اور عاشق لکھنوی کی ''بہار ہند'' [5] (۱۸۸۸ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولوی سید احمد [6] دہلوی نے بھی ''مصطلحاتِ اردو'' (۱۸۷۱ء) اور ''لغات النساء'' نام سے اس قسم کی فرہنگیں تالیف کیں۔ اول الذکر عام اصطلاحات اور محاورات پر مبنی تھی اور موخر الذکر میں چار ہزار اِکہتر (۴۰۷۱) ایسے الفاظ ومحاورات درج ہیں جو کہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لیکن اردو، اردو لغت نگاری کی با قاعدہ ابتداء ان ہی مولوی صاحب نے ''ارمغان دہلی'' کے نام سے مختلف رسالے ۱۸۵۸ء سے ۱۸۸۸ء تک شائع کر کے کی اور بعد میں نظام دکن کی امداد اور

سرپرستی حاصل ہونے کے بعد ان رسالوں کو جلد اول اور دوم میں منقسم کیا اور سلطنت آصفیہ کے نام معنون کر کے ''فرہنگ آصفیہ'' کی تیسری اور چوتھی جلد بالترتیب ۱۸۹۸ء اور ۱۹۰۱ء میں شائع کی۔ بعد ازاں جلد اول و دوم کو بھی ''فرہنگ آصفیہ'' ہی کے نام سے شائع کیا۔ آخر پر ۱۹۱۸ء میں جلد چہارم کی طبع ثانی کی گئی[۸]۔ ان میں پہلی جلد ''ا'' سے ''ت'' تک دوسری ''ٹ'' سے ''ژ'' تک تیسری ''س'' سے ''ک'' تک اور چوتھی جلد ''گ'' سے ''ی'' تک کے الفاظ پر مبنی ہیں۔ ترقی اردو بیورو دہلی نے اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اسے تین بار بالترتیب ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۷ء، اور ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ اسی طرح مرکزی اردو بورڈ لاہور نے بھی ۱۹۷۷ء میں اس کا عکسی ایڈیشن شائع کیا۔ راقم کے زیر نظر اس لغت کا تازہ ترین (ترقی بیورو اردو دہلی) ایڈیشن ہے جو کہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں ''ا'' سے ''خ'' تک (۹۷ تا ۸۸۰) دوسری جلد میں 'د' سے 'ک' تک (۸۸۵ تا ۱۷۵۲) اور تیسری جلد میں ''گ'' سے 'ی'' تک (۱۷۵۷ تا ۲۵۴۹) حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی جلد میں ۷۷ صفحات پر مشتمل طویل دیباچہ ہے جس میں اردو زبان کی پیدائش اور ترقی، فرہنگ آصفیہ کا سبب تالیف اور اس کے مشمولات کے علاوہ سرپرستان آصفیہ کا شکریہ وغیرہ قلمبند کیا گیا ہے۔ یہ مقدمۂ طبع اول ہے اور مقدمۂ طبع ثانی میں آوازوں کی کیفیت اور حروف کی اصلیت، زبان کا رواج، دنیا کی ابتدائی زبانیں، زبانوں کا اختلاف، اردو کی ماہیت، محاورہ، اصطلاح، فصاحت، بلاغت وغیرہ موضوعات شامل ہیں۔ اسی دیباچے میں اپنے مکان کی آتشزدگی اور نتیجے میں فرہنگ آصفیہ کے تمام نسخوں کے تلف ہونے کا

واقعہ، اپنے حسب ونسب کا اور سب سے بڑھ کر نظام دکن کے بارے میں مفصّل مضمون بھی درج ہے۔ لیکن اس دیباچے کی سب سے اہم بات مولوی سیّد احمد کا منشی امیر مینائی (صاحب امیر للغات) اور نورالحسن نیّر کاکوری (صاحب نوراللغات) پر اپنی لغت کے سرقے کا الزام رقم ہے۔ مولوی صاحب نے ان مولفین کو "تصنیف کے ڈاکو" اور "فن لغت سے ناآشنا" قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

> "حال ہی میں ایک کاکوری صاحب کا نمونۂ لغت ہماری نظر سے گذرا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حرف الف کے متعلق امیر اللغات ضرورت کو پورا کر چکا ہے، میں نے صرف 'ب' کا نمونہ شائع کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب کی نظر اقدس سے ارمغان دہلی کا اول حصہ مطبوعہ ۱۸۷۸ء اب تک نہیں گذرا۔ جس طرح جامع امیر اللغات نے ارمغان دہلی مطبوعہ ۱۸۷۸ء میں سے لفظ "آنکھ" لے کر اسکے مشتقات اور معانی کی ہو بہو نقل بطور نمونہ چھاپی تھی اسی طرح مولف فرہنگ نوراللغات نے بھی ان کی پیروی کر کے سنہ اشاعت سے پورے تین قرن بعد فرہنگ آصفیہ میں سے لفظ "بات" اور مشتقات کی ہو بہو نقل بطور نمونہ شائع فرمائی ہے"[۹]۔

فرہنگ آصفیہ پر جس قدر اعتراضات اٹھائے گئے ہیں اتنے کسی اور لغت پر نہیں اٹھائے گئے۔ اس پر فحش نگاری، طوالت، ذاتی عناصر، تحقیق الفاظ میں غلطیاں وغیرہ الزامات عاید کئے گئے۔ یہاں تک کہ مشہور شاعر مرزا داغ

دہلوی نے مولوی سید احمد کو عرب سرائے کا باشندہ ہونے کی بنیاد پر مستند اہل زبان تسلیم کرنے ہی سے انکار کیا[۱۰]۔ لیکن ان الزامات اور اعتراضات کے باوجود آصفیہ، نہ صرف اردو کی یک لسانی لغت نگاری کی باقاعدہ ابتدا کرتی ہے بلکہ یہ حتی المقدور جامع اور مبسوط بھی ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ معدودے چند لغات کو چھوڑ کر اکثر لغت نگاروں نے اس سے استفادہ کیا۔ مولوی عبدالحق اس لغت پر متعدد اعتراضات اٹھانے کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

"....اردو لغات پر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں جامع، مکمل اور سب سے کارآمد مولوی سیّد احمد دہلوی کی فرہنگ آصفیہ ہے"[۱۱]۔

ڈاکٹر فیلن کے ساتھ طویل مدت تک کام کرنے کی وجہ سے مولوی سیّد احمد نے جہاں لغت نگاری کے اُس وقت کے مرّوج اصولوں سے جانکاری حاصل کی وہیں فیلن کی دولسانی لغت کو بنیاد بنا کر اپنی لغت تالیف کی۔ یہی وجہ ہے کہ فیلن ،اور آصفیہ، میں اکثر موقعوں پر خوبیوں اور خامیوں کے لحاظ سے اشتراک ملتا ہے۔

فرہنگ آصفیہ، کی تالیف کا زمانہ اردو کی یک لسانی لغات کے حوالے سے انتہائی اہم قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف آصفیہ کی تدوین میں مولوی سیّد احمد بڑی تندہی کے ساتھ لگے ہوئے تھے تو دوسری طرف منشی امیر مینائی[۱۲] بھی لغت نگاری کے میدان میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان سرگرمیوں کی پشت پر مختلف شخصی حکومتوں کے علاوہ مختلف انگریز حضرات نے اہم رول ادا کیا۔ جہاں آصفیہ، کی تدوین میں سلطنت آصفیہ ممد و معاون

ثابت ہوئی وہیں امیر اللغات کی تالیف میں نواب کلب علی خان والی رام پور نے نہ صرف امیر مینائی کو تحریک دی بلکہ امداد بھی بہم پہنچائی۔ اسی طرح جہاں ڈاکٹر فیلن کی صحبت میں رہ کر مولوی سید احمد نے لغت نگاری کے اصولوں سے جانکاری حاصل کی وہیں سر الفرڈ لائل (لیفٹنٹ گورنر مما لک مغربی وشمالی و چیف کمشنر اودھ) کی فرمائش پر امیرؔ نے لفظ ''آنکھ'' کا نمونہ ۱۸۸۶ء میں (تاج المطابع رام پور سے) ''نمونۂ امیر اللغات'' کے نام سے شائع کیا۔ لیکن بیرونی محرکات کے ساتھ ہی امیرؔ کے لغت نگاری کے شوق کو اُن کی اپنی ذاتی لگن کے علاوہ تطہیر لسان کے جذبے نے جلا بخشدی۔ امیر للغات کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات مثلاً بہار ہند، سرمۂ بصیرت، معیار الاغلاط اور محاورات مصادر بھی اُسی جذبے کی مظہر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امیرؔ کی خدمات کو فراموش کرنا احسان ناشناسی کے مترادف ہوگا اور بعض کوتاہیوں کی بناء پر ان کے خلوص پر خط تنسیخ نہیں کھینچا جا سکتا۔

جہاں تک ''بہار ہند' کا تعلق ہے تو اُسے امیر اللغات کا سنگ بنیاد کہا جا سکتا ہے چونکہ یہ کتاب اب نایاب ہے البتہ امیرؔ کے خطوط اور اُس کے بعض سوانح نگاروں (مثلاً ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ۔ مطالعۂ امیر) سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس میں اردو کے مصطلحات ومحاورات کو جمع کیا گیا تھا اور سند میں اساتذہ کے کلام سے مثالیں دی گئیں تھیں اور یہ فارسی عبارت ''گلشنِ فیض'' کی قطع میں ''ا'' سے 'ی' تک معنی وامثال پر مشتمل تھی[۱۳]۔ چنانچہ مولف کے سامنے امیر اللغات جیسی مبسوط لغت کا خاکہ تھا اس لیے ممکن ہے کہ بہارِ ہند کی افادیت اس کی نگاہوں میں ختم ہوگئی ہو البتہ اس کو نقشِ اول مان کر اس پر امیر

اللغات کی بنیاد رکھی گئی ہو۔

''سرمۂ بصیرت'' بھی اب دستیاب نہیں ہے۔ امیر مینائی نے بعض جگہوں پر اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن حال کی تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ''سرمۂ بصیرت'' اور ''معیار الاغلاط'' دو ناموں کے تحت اصل میں ایک ہی کتاب ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر[۱۴] کے مطابق اس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے جو کہ 'الف' سے 'ی' تک مکمل ہے اور بڑی تقطیع کے دو سو سے زائد صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ راس الفاظ الگ الگ سطروں میں سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں اور ان کے آگے سیاہ روشنائی سے مختصراً ان کے معنی اور تلفظ کی صحیح اور غلط کیفیت درج کی گئی تھی اور آخر میں دوسری لغات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ سرمۂ بصیرت کے بارے میں احسن اللہ ثاقب[۱۵] نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس میں عربی و فارسی الفاظ، جو غلط زبان زد اور مستعمل ہیں، کی تصحیح کی گئی ہے اور کلام اساتذۂ متقدمین اور متاخرین سند میں دیا گیا ہے۔ اس طرح ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ اور رشید حسن خان[۱۶] اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ ''سرمۂ بصیرت'' اور ''معیار الاغلاط'' اصل میں ایک ہی کتاب ہے۔ ان حقائق کو مدِ نظر رکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل مقصد تطہیر لسان تھا اور اس طرح امیرؔ دخیل الفاظ کے املا، تلفظ اور معنی میں ہوئے تصرفات کو قبیح گردانتے تھے (چونکہ اس نظریے کے بارے میں بحث یہاں پر باعث طوالت ہوگی)۔ امیرؔ کی تصنیف ''محاورات و مصادر اردو'' بھی اب نایاب ہے اور امیرؔ کے سوانح نگاروں نے بھی اس پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالی ہے البتہ رسالہ ''نیرنگ'' کے امیر نمبر[۱۷] اور ڈاکٹر سحر کی تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی اردو زبان کی لغت تھی

جس میں محاورات و مصادر جمع کیے گئے تھے۔

منشی امیر مینائی کے ان ہی کاموں نے امیر اللغات کی تالیف کے لیے راہیں ہموار کیں۔ ''نمونۂ امیر اللغات'' کے بعد ''امیر اللغات'' کا پہلا حصہ ۱۸۹۱ء میں مفید عام پریس آگرہ سے شائع ہوا جس میں الف ممدودہ کے الفاظ و محاورات درج ہیں اور ۱۸۹۲ء میں اس کا دوسرا حصہ منظر عام پر آ گیا جس میں الف مکسورہ کے الفاظ کے علاوہ پہلے حصے پر مختلف لوگوں اور اخبارات کے تبصرے بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر سحر[۱۸] کے مطابق ۱۸۹۵ء میں لغت کے تیسرے حصے کی تدوین مکمل ہو چکی تھی جس میں 'ب' کے الفاظ شامل تھے لیکن اس کی طباعت کے لیے سرمایہ نہیں تھا اور جولائی ۱۸۹۸ء میں ''ب'' کے الفاظ کا چوتھا حصہ زیر ترتیب تھا کہ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں امیر کا انتقال ہوا۔ یہی خیال ثاقب[۱۹] کا بھی ہے البتہ انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کی پانچ جلدیں تالیف کے لیے تجویز ہوئی تھیں لیکن میکش حیدرآبادی[۲۰] کے مطابق ''امیر اللغات'' کی دو شائع شدہ جلدوں کے علاوہ اس کی چھ اور جلدیں موجود ہیں جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں لیکن یہ واقفیت بہم نہیں پہنچائی ہے کہ غیر شائع شدہ مسودے کہاں پر موجود ہیں۔ ڈاکٹر سحر[۲۱] کی اطلاع کے مطابق ''امیر اللغات'' کا تیسرا حصہ کراچی میں اسرائیل احمد مینائی کے پاس موجود ہے اور باقی مسودے تلف ہو چکے ہیں۔ ان حقائق کو مدِنظر رکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ''امیر اللغات'' کی صرف دو جلدیں شائع ہو گئی ہیں اور تیسرا حصہ ابھی زیر تکمیل تھا کہ امیر کا انتقال ہوا۔ اس لیے جب تک باقی ماندہ جلدوں کے مسودے منظر عام پر نہیں آ جاتے تب تک ان کی موجودگی کو مفروضہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

امیر اللغات کی تالیف کے سلسلے میں جن اصحاب نے امیر کو تحریک دی اُن میں نواب محمد یوسف علی خان (والی رام پور)، ان کے جانشین نواب کلب علی خان اور سر الفرڈ لائل کے علاوہ جنرل محمد اعظم الدین، نواب محمد مشتاق علی خان، اور دیگر بزرگوں کا اہم رول تھا، اور ان کا تذکرہ امیرؔ نے بھی حصہ اول میں کیا تھا۔ ''نمونۂ امیر اللغات'' کی اشاعت کے بعد لغت کی تالیف کے سلسلے میں ایک کمیٹی قائم کی گئی جو کہ اردو کے اصحاب الرائے پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی کے صدر امیرؔ مینائی تھے اور اس کے ارکان میں مولوی حفیظ اللہ، مولوی فصیح الزمان خان نعیم، منشی عبدالرحمان بسملؔ، منشی محمد احمد صریرؔ، حکیم نعیم الزمان نعیمؔ اور حافظ محمود علی فداؔ شامل تھے۔ اس کمیٹی کے طریقہ کار کے بارے میں اور آخر پر اس کو سمیٹنے کی وجوہات کے سلسلے میں ممتاز علی آہؔ لکھتے ہیں۔

> ''تجویز یہ قرار پائی کہ دن میں جس قدر تالیف ہو شب کو اسے کمیٹی سن لیا کرے۔ دو مہینے تک روزانہ شب کو یہ کمیٹی کام کرتی رہی، مگر بحث و مباحثہ ہی رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ''آ'' کا لفظ بھی ختم نہ ہوا۔ آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ مولف اپنے ہی اجتہاد سے کام لے تب جا کے کام چل نکلا''۔ [۲۲]

امیر اللغات بھی فرہنگ آصفیہ کی طرح زبان کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے الفاظ و محاورات کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن یہ زیادہ تر معیار بندی اور صحت زبان کی طرف مائل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مستعمل الفاظ کو متروکات کی ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ چنانچہ مؤلف آصفیہ کا بھی احاطہ زبان کا دعویٰ ہے اس لیے ممکن ہے کہ اسی اشتراک مقصد کی بناء پر

ان میں ایسے مشترکہ عناصر داخل ہوئے ہوں جن کو دیکھ کر مولف آصفیہ نے صاحب نور اللغات (تفصیل آئندہ ہوگی) کے ساتھ ساتھ امیر پر بھی سرقے کا الزام لگایا[۲۳] ہے۔ لیکن یہ صورت حال اُس وقت مضحکہ خیز بن گئی جب امیر مینائی[۲۴] نے اپنے ایک شاگرد شاداب کے نام خط میں یہی الزام جلال (صاحب سرمایہ زبان اردو) پر لگایا۔ البتہ اس ترمیم کے ساتھ کہ جلال نے ان کے مسودۂ لغت پر تصرّفات بے جا شامل کیے ہیں۔ دراصل لغت نگاروں کے ایک دوسرے پر لگائے گئے الزامات کی بنیاد یہی تھی کہ اس دور کی لغت نگاری کا رجحان ضخامت کی طرف زیادہ تھا۔ ایک ہی لفظ کے مختلف مترادفات ڈھونڈنے کے لیے لغت نگاروں کا ایک دوسرے سے استفادہ ناگزیر تھا۔ لغات کے قاموسی کردار کی وجہ سے بے وجہ طوالت اور جا بہ جا شعری ترکیبات در آئیں اور جہاں طوالت سے بچنا چاہا وہاں ایسا اختصار برتا گیا کہ اکثر مستعمل الفاظ بھی چھوٹ گئے۔ یکساں رجحان اور سِکہ بند طریقۂ کار کی وجہ سے ہی یہ لغات ایک دوسرے کا چربہ دکھائی دینے لگیں اور اسی بناء پر ایک دوسرے پر سرقے کے الزامات عائد کیے گئے۔

امیر مینائی کے کام کو آگے لے جانے کا سہرا نور الحسن نیر کاکوری[۲۵] کے سر جاتا ہے جنہوں نے امیر اللغات کی تکمیل کے لیے ۱۹۱۴ء میں ''نور اللغات'' کی تالیف شروع کی۔ اس کے لیے ایک دفتر قائم کر کے بہت سے ملازم مامور کیے اور ایک مختصر مدت میں چار جلدوں پر مشتمل یہ لغت مکمل کر ڈالی جن کی تفصیل یوں ہے۔

حصہ اول: (الف۔ب) ۱۹۲۴ء میں نیّر پریس پاٹا والا لکھنو سے حامد

حسین علوی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ یہ حصہ ۱۴۱ے صفحات پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم: (پ۔خ) نیّر پریس ہی سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ ۵۱۳ صفحات ہیں۔

حصہ سوم: (د۔ق) ۶۹۲ صفحات پر محیط یہ حصہ اُسی پریس سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔

حصہ چہارم: (ک۔ی) اشاعت العلوم پریس فرنگی محل لکھنو سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ ۱۰۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

ہر چند کہ اس کی اشاعت کی ابتدا ۱۹۲۴ء میں ہوئی لیکن اس کے حصہ سوم اور چہارم کی لوح پر اس کا تاریخی نام ''اردو کا نادر لغت'' (۱۹۱۷ء) درج ہے۔ اس سے یہی لگتا ہے کہ پوری لغت کا ڈھانچہ ۱۹۱۷ء میں ہی مکمل ہوا تھا۔ اور بعد میں اس پر اضافے ہوتے گئے۔

نوراللغات اصل میں امیراللغات کی توسیع ہے۔ ''نور'' کے دیباچے میں نیؔر نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ امیر مینائی سے متاثر ہیں اور اُنہیں لغت نگاری کے سلسلے میں اپنا روحانی پیشوا سمجھتے ہیں۔ ''امیراللغات'' اور نوراللغات'' کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دونوں میں زبردست ہم آہنگی ہے۔ یہاں تک کہ دونوں کی ابتدا بھی الف کی ایک جیسی تفصیل سے ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نوراللغات کی ترتیب مترادفات امیؔر سے مختلف ہے۔ مزید برآں اگر امیؔر نے مختلف الفاظ سے تعلق رکھنے والے محاورے اور ضرب الامثال الگ الگ دیے ہیں تو نیّؔر نے ایک لفظ کی ذیل میں اس کے محاوروں وغیرہ کو جمع کیا ہے۔ اگرچہ نوراللغات کے بارے میں کہا

گیا ہے کہ اس کے معنی میں وہ وسعت نہیں ہے جو کہ فرہنگ آصفیہ کا امتیاز ہے[۲۶] اور اس میں مآخذ لسانی کی نشاندہی کے سلسلے میں امیر مینائی جیسی تلاش و تحقیق سے کام نہیں لیا گیا ہے[۲۷] لیکن اس کے باوجود اس لغت کو اُسی طرح دبستان لکھنو کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے جس طرح فرہنگ آصفیہ دبستان دہلی کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ یہ لغت امیر مینائی کے بعد تالیف کی گئی ہے اس لیے اس میں امیر کے کام پر اضافہ ہی ہوا ہے۔ البتہ اس کا کمزور ترین پہلو وہ الفاظ ہیں جن کی فہرست متروکات کے طور پر درج کی گئی ہے۔ ان میں سے اکثر الفاظ اُس وقت بھی مستعمل تھے اور اب بھی ہیں۔ دراصل یہ اسی معیار پسندی کا نتیجہ ہے جو کہ اس دور کا خاصہ تھا اور جس کی وجہ سے بات بات پر سند اور مثال طلب کی جاتی تھی۔ اسی معیار پسندی نے تذکیر و تانیث، متروکات اور اصلاح زبان کے حوالے سے ایک طویل علمی مباحثے کو جنم دیا جس کے نتیجے میں نہ صرف لغات (بشمول لغات مصادر و محاورات و امثال) کی کتابیں منظر عام پر آگئیں بلکہ زباندانی کے دیگر شعبوں پر بھی مختلف کتابیں شائع ہوئیں۔ اس دور میں اشرف علی اشرفؔ (۱۸۱۷ء تا ۱۹۲۰ء) کی ''مصطلحات اردو'' (۱۸۹۰ء) تذکیر و تانیث کے مسائل اور محاورات کے صحیح استعمال پر لکھی گئی۔ جلال کی ''سرمایہ زبان اردو'' بھی اس دور میں تالیف ہوئی جو کہ مؤلف کی اردو فارسی لغت ''گنجینہ زبان اردو'' کا ترجمہ ہے (اس لغت کے بارے میں فارسی لغت نگاری، عنوان کے تحت گزشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے اور اردو لغت نگاری کے حوالے سے اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ''فرہنگ اثر'' کی ذیل میں آئے گی)۔ منشی لالتا پرشاد شفقؔ

لکھنوی (۱۸۶۳ء تا ۱۹۱۸ء) ''فرہنگ شفق'' بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ اس میں وہی محاورات شامل ہیں جو کہ ناسخؔ، آتشؔ، غالبؔ، اور ذوقؔ نے استعمال کیے ہیں۔ عشرتؔ لکھنوی (قریباً ۱۸۵۶ء تا ۱۹۳۶ء) کا رسالہ ''اصلاح زبان اردو'' (۱۹۱۵ء) بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا مقصد عہد ناسخؔ سے لے کر عشرتؔ کے زمانے تک کی اصلاح سخن کے علاوہ متروکات کا سدباد، غیر فصیح الفاظ کا انسداد، فصیح الفاظ کا رواج اور محاوروں اور اصطلاحات کے صحیح الفاظ کا فیصلہ تھا[۲۸]۔ یہی رسالہ بعد میں عشرت کی ''لغات اردو'' (۱۹۲۳ء۔۲۴) کی تالیف کا محرک ثابت ہوا۔ یہ لغت چار جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد کی ضخامت اوسطاً پچاس تا ایک سو ستر صفحات ہے۔ اس کی پہلی جلد میں مفرد مصادر، دوسری جلد میں مرکب مصادر، تیسری جلد میں مرکب مصادر مع اسماء اور چوتھی جلد میں حروف روابط کے معانی اور ضرب الامثال اور محاوروں کی مثالیں ہیں[۲۹]۔

عشرتؔ لکھنوی ہی کے معاصر منیر لکھنوی[۳۰] نے بھی متعدد کتابیں اور لغات تالیف کیں جو کہ مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے عشرتؔ کی تصانیف سے مماثلت رکھتی ہیں۔ ان میں ''ملک کی زبان المعروف بہ محاورات ہندوستان'' (مطبع مجیدی کانپور ۱۹۲۴ء) خصوصی توجہ کے قابل ہے۔ اصل میں یہ اس مجوزہ فرہنگ کی پہلی قسط ہے جس میں منیرؔ الفاظ و محاورات کو مختلف طبقوں سے وابستہ لوگوں کی مناسبت سے تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ سرمایۂ الفاظ کی اس تقسیم کے سلسلے میں رسائل مثلاً ''محاوراتِ نسواں و خاص بیگمات کی زبان'' ''بازاری زبان و اصطلاحات پیشہ وران''، ''غلط العوام'' ''گنجینۂ اقوال و خزینۃ الامثال'' اور

''منیر المحاورات'' تصنیف ہوئے۔ لیکن منیرؔ کا گراں قدر کام ''مراۃ المنیر'' ہے جو ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اور جو مطبع مجیدی ہی سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ ''منیر اللغات'' جس میں اردو محاورات کے معانی ہیں۔ دوسرے حصہ ''منیر المصطلحات'' میں اردو اصطلاحات کے معانی اور مختلف شعراء کے کلام سے ان کی اسناد ہیں اور تیسرے حصہ ''منیر الجمال'' میں اقوال و امثال کی شرح اور تفصیل ہے۔

اسی دور میں ایک اور طبقہ زبان کے مختلف شعبوں اور غیر زبانوں کے الفاظ کو شامل لغت کرنے کے لیے سرگرم عمل تھا۔ اس طبقے کے کام کی ابتدا اگرچہ فرہنگ آصفیہ ہی سے ہوئی تھی، جس میں اردو الفاظ کے مترادفات میں عربی، فارسی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کے الفاظ بھی دیے گئے تھے، لیکن خواجہ عبدالمجید[۳۱] نے اپنی ضخیم لغت ''جامع اللغات'' (۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۵ء) جو کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے، میں راس الفاظ کے طور پر عربی، فارسی اور دیگر زبانوں کے الفاظ بھی درج کیے۔ اس کے علاوہ اس لغت میں اسماء اعلام اور دنیا کے مختلف جغرافیائی مقامات کی اطلاع بھی دی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ لغت سے بڑھ کر انسائیکلوپیڈیا بن گئی۔ اردو کی دیگر لغات مثلاً آصفیہ، نور، مہذب بھی کافی ضخیم ہیں لیکن جامع کی ضخامت ان سبھوں سے بڑھ گئی ہر چند کہ اس میں اسناد و امثلہ نہیں دی گئی البتہ ان کی جگہ بھی الفاظ نے ہی گھیر لی۔ اس میں نہ صرف وہ الفاظ ہیں جو کہ اردو میں کسی نہ کسی طرح مستعمل ہیں بلکہ وہ الفاظ بھی ہیں جن کے استعمال کے امکانات پائے گئے۔ وارث سرہندی[۳۲] نے بجا طور پر لکھا ہے کہ جو لفظ کسی اور لغت میں نہ ملے وہ ''جامع اللغات'' میں مل جاتا

ہے۔لیکن جامع اللغات کی جامعیت ہی اس کے لیے وجہ اعتراض بن گئی۔ (تفصیل آئندہ ہوگی)۔اس دور کی لغات کو تین دبستانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آصفیہ دبستان دہلی کی نمائندہ ہے اور نور دبستان لکھنو کی لیکن 'جامع' پنجاب کے دبستان سے تعلق رکھتی ہے۔معیار بندی کے اعتبار سے لکھنو کی اپنی انفرادیت ہے اور دہلی اور پنجاب جامعیت اور قاموسیت کے رجحان کی بناء پر ایک دوسرے سے مماثل ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل ہی سے جب کہ ایک طرف معیار بندی اور دوسری طرف جامعیت کے حق میں دلائل دیے جاتے تھے، ایک طرح کا تنقیدی شعور بیدار ہونے لگا تھا۔اسی تنقیدی شعور نے لغت نگاروں کو ایک دوسرے کے کاموں پر اعتراض اٹھانے کی طرف راغب کیا اور اسی نے گزشتہ کاموں کے محاکمے کی تحریک دی۔اس تنقیدی اور محاکماتی دور میں دو اہم لغات سامنے آئیں جو کہ تالیف لغت سے بڑھ کر تنقید لغت کے زمرے میں آتی ہیں۔ یہ لغات ہیں جعفر علی خان اثر لکھنوی[۳۳] (۱۸۵۸ء تا ۱۹۶۷ء) کی ''فرہنگ اثر'' اور مہذب لکھنوی[۳۴] کی ''مہذب اللغات''۔فرہنگ اثر دراصل اس کام کی انتہائی توسیع ہے جو کہ حکیم سید ضامن علی جلالؔ نے ''سرمایہ زبان اردو'' لکھ کر شروع کیا تھا اور جسے نور الحسن نیر کاکوری نے ''نور اللغات'' تالیف کر کے آگے بڑھایا تھا۔''فرہنگ اثر'' ۱۹۶۱ء میں سرفراز قومی پریس لکھنو سے شائع ہوئی۔ یہ بڑی سائز کے ۴۷۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ۸۴ صفحات پر ہے جس میں ''سرمایۂ زبان اردو'' کا جائزہ لیا گیا ہے اور دوسرا حصہ ۳۹۰ صفحات پر محیط ہے جس میں ''نور اللغات'' کا تنقیدی

محاکمہ ہے۔ حصہ دوم کے آغاز میں اس فرہنگ کے وجود میں آنے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس میں آثر نے ''سرمایہ'' اور ''نور'' کے ان الفاظ و محاورات پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے جو کہ ان کے خیال میں محل نظر ہیں۔ اس لغت میں مؤلف نے وہ الفاظ و محاورے بھی درج کیے ہیں جو جلاؔل اور نیؔر نے ترک کیے تھے اور جہاں ضرورت پڑی وہاں اپنی تائید میں مسلم الثبوت اساتذہ کے اشعار پیش کیے ہیں۔ جلاؔل کی تالیف پر آثر نے جو تنقید کی ہے اس کے لیے انہیں کوئی افسوس نہیں البتہ نیؔر کے خلاف قلم اٹھاتے ہوئے وہ کچھ نادم سے لگتے ہیں۔ اس لیے تلافی کے طور پر ابتدا ہی میں لکھ دیا۔

> ''فاضل مؤلف (نیؔر) نے جو مہتم باشان کام تنہا کمال مشقت و دیدہ ریزی و تجسس و تفحّص سے سرانجام دیا ہے، مستحق ہزار تحسین و آفرین ہے۔ میری خامہ فرسائی کو، جسے کسی طرح مکمل نہیں کہا جا سکتا، نور اللغات کا ضمیمہ تصور کرنا چاہیے ہر چند برسوں کی محبت ہے''۔[۳۵]

آثر لکھنوی کا ''سرمایہ'' اور ''نور'' پر یہ محاکمہ دراصل زبان و محاورے کے بارے میں ان کے راسخ العقیدہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے ہمیشہ لکھنو کے محاورے کو زیر نظر رکھا اس لیے ان کی تنقید میں بھی اسی کے تحفظ کا خیال کارفرما تھا۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی لغت کے لیے خاکہ تیار کیا تا کہ فصیح، غیر فصیح، مذکر، مونث، نیز عوام و خواص کا فرق بہ آسانی سمجھا جا سکے۔

مہذب لکھنوی کی اسکیم کے مطابق ''مہذب اللغات'' کا ۱۶ جلدوں پر محیط ہونا طے پایا گیا تھا لیکن اِس کی صرف ۱۳ جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

اس کی پہلی جلد ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی اور آخری یعنی تیرہویں جلد ۱۹۸۴ء میں شائع ہوگئی، اور مہذب لکھنوی کے انتقال کی وجہ سے یہ لغت بھی ''امیر اللغات'' کی طرح مکمل نہ ہوسکی۔ لیکن نامکمل ہونے کے باوجود اسے اردو کی ضخیم لغت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لغت کی پہلی جلد میں تین صفحوں کا ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں مؤلف نے اسے اپنی بتیس سالہ محنت کا ثمرہ قرار دیا ہے۔ بقیہ جلدوں کی ابتدا میں بھی ایسے ہی مختصر مقدمات ہیں جن میں مؤلف نے ان اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جو اس کے کچھ حصوں کی اشاعت کے بعد ''اردو ادب'' (دسمبر ۱۹۵۶ء) اور قومی آواز، (۲/اور ۹/اپریل اور ۷/اور ۱۲/مئی ۱۹۶۱ء) میں سلسلہ وار شائع ہوئے تھے۔

''مہذب'' اپنے تنقیدی کردار کی وجہ سے ہی فرہنگ اثر کی طرح مروجہ لغات سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں پہلے لفظ کے معنی دیے گئے ہیں اور حسب ضرورت تشریح کی گئی ہے۔ پھر شعر یا جملہ بطور سند پیش کیا گیا ہے اور آخر پر ''قول فیصل''[۳۶] کا عنوان قائم کرکے فصیح، غیر فصیح متروک یا رائج ہونے کا فیصلہ صادر کیا گیا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے ان کے سامنے نہ صرف فرہنگ آصفیہ، نور الغات، امیر الغات اور جامع اللغات تھیں بلکہ ڈپٹی نذیر احمد اور سرشار جیسے اہل زبان کی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا۔

بیسویں صدی کے اسی لسانی کشمکش کے دور میں جبکہ معیار بندی اور جامعیت میں زبردست مناقشہ چل رہا تھا اور تحفظ محاورہ اور ضخامت کے حوالے سے لغات کی تنقید کی جاتی تھی وہیں درمیانی سائز کی لغات مثلاً فیروز اللغات (کلاں) اور خورد سائز کی لغات مثلاً فیروز اللغات (خورد) اور

فرہنگ عامرہ بھی تالیف ہوئیں اور مختلف علوم وفنون کے لیے مختصر فرہنگیں بھی لکھی گئیں۔ ان فرہنگوں کی تالیف کے لیے یہاں کے ماہرین لسانیات کو دراصل یورپی لغت نگاری کی زبردست ترقی نے راغب کیا یہی وجہ ہے کہ مولوی سید احمد دہلوی نے آصفیہ سے پہلے ''لغات النساء'' لکھ کر دہلی کی بیگمات کی زبان کا احاطہ کرنے کی سعی کی تھی۔ اس سلسلے میں مذہب نے بھی خاص رول ادا کیا۔ قرآن اور احادیث نبوی صلعم کے الفاظ کی تشریح، قرأت اور شانِ نزول وغیرہ پر ایسی بہت سی فرہنگیں اسی دور میں لکھی گئیں۔ ان میں ''لغات القرآن'' (۱۸۹۵ء) مرتب محمد خلیل ''لغات القرآن'' (۱۹۰۱ء) مؤلف شہید الدین احمد اور ''مراۃ القرآن فی للغۃ القرآن'' (۱۹۵۲ء) عبدالحی قابل ذکر ہیں۔ لیکن اس طرح کی اہم جامع اور تفصیلی لغت مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا عبدالدائم جلالی کی چھ جلدوں پر مشتمل لغت ''مکمل الغات القرآن'' (۱۹۴۳ء ندوۃ المصنفین دہلی)[۳۷] ہے۔ اسی طرح احادیث کی لغات میں علامہ وحید الزمان کیرانوی کی ضخیم تالیف ''لغات الحدیث'' (۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۶ء) بھی اہمیت کی حامل ہے جو ۳۸ جلدوں پر مشتمل[۳۸] ہے۔

مذہب کے علاوہ مختلف علوم وفنون کی ترقی بھی اردو میں ایسی فرہنگوں کی تالیف کا سبب بنی۔ سائنسی موضوعات کی فرہنگیں تیار کرنے میں مولوی عبدالحق نے زبردست کردار ادا کیا۔ انہوں نے ۱۹۳۹ء میں فرہنگ اصطلاحات کیمیا، فرہنگ اصطلاحات معاشیات، تاریخ وسیاسیات وعمرانیات اور فرہنگ اصطلاحات طبیعات شائع کیں جن میں انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات دیے گئے ہیں۔ اس سے پہلے اسی نوعیت کی ضخیم موضوعاتی

لغت حکیم غلام جیلانی نے ۱۹۲۳ء میں ''مخزن الجواہر'' کے نام سے شائع کی تھی جو کہ طبعی علوم سے متعلق ہے۔ عصرِ حاضر میں اس قسم کی فرہنگیں شائع کرنے میں ترقی اردو بیورو دہلی نے قابل ستائش خدمات انجام دی ہیں۔ اب تک اس ادارے نے انسانیات، تاریخ وسیاست حیوانیات، کیمیا، معاشیات اور لسانیات پر چھ موضوعاتی فرہنگیں شائع کی ہیں جن میں ان علوم کے یورپی اصطلاحات کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر کلیم الدین احمد اور سرسوتی سرن کی مرتب کردہ فرہنگیں ''فرہنگ ادبی اصطلاحات'' قابل قدر کوششیں ہیں۔ مزید شمس الرحمٰن فاروقی کی ''لغاتِ روزمرہ'' بھی فرہنگ نویسی میں اہمیت کی حامل ہے۔

موضوعاتی لغات میں ادبی فرہنگیں بھی اسی صدی کی دین ہیں۔ ادبی فرہنگیں ترتیب دینے میں مولانا امتیاز علی خان عرشی کو اولیت حاصل ہے جنھوں نے فرہنگ غالبؔ ترتیب دے کر ادبی فرہنگوں کی ابتدا کی۔ اسی طرح ولی محمد خان نے ''محاورات داغؔ'' عابد علی عابدؔ نے ''تلمیحات اقبالؔ'' اور اکبر حسین قریشی نے ''تلمیحات محاورات اقبالؔ'' تالیف کیں۔ حسین نقوی نے ''فرہنگ انیسؔ'' دو جلدوں میں ترتیب دی۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر فرید برکاتی نے ''فرہنگ کلیات میرؔ'' لکھی اور ذکاء الدین شایاںؔ نے ''۱۸ ویں صدی کی ادبی فرہنگ'' ترتیب دے کر اس نوع کی لغات کو مزید وسعت دی۔ اسی طرح ڈاکٹر مسعود حسین اور غلام عمر خان نے ''دکنی اردو کی لغت'' کی تدوین سے موضوعاتی لغت نگاری سے آگے بڑھ کر زبان کے علاقائی اختلاف (Dialectial variants) کی طرف توجہ مبذول کی۔ اس لغت کا اہم

تفاعل یہ ہے کہ اس سے نہ صرف موجودہ دکنی اردو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ یہ قدیم اردو شاعری کی تفہیم میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہوا ہے کہ بیسویں صدی اردو لغت نگاری کے لیے زبردست اہمیت رکھتی ہے۔ اسی صدی میں بابائے اردو نے جہاں موضوعاتی فرہنگیں ترتیب دے کر اس قسم کی اہمیت کی طرف توجہ مبذول کی وہیں انہوں نے انگریزی اردو ڈکشنری تالیف کر کے دولسانی لغت نگاری میں بھی اہم مقام حاصل کیا۔ لیکن ان کی لغت ''لغت کبیر اردو'' ان کا زبردست لسانی کارنامہ ہے۔ اس لغت کی تدوین کا کام حکومت حیدر آباد (عثمانیہ) کے اصرار پر انہوں نے ۱۹۳۰ء میں شروع کیا تھا[۳۹]۔ لیکن تقسیم ملک کی وجہ سے یہ کام ادھورا رہ گیا اور بعد میں انہوں نے پاکستان جا کر ''انجمن ترقی اردو پاکستان'' کی داغ بیل ڈالی اور نامکمل کام کی تکمیل میں لگ گئے۔ انجمن کے سہ ماہی رسالہ ''اردو'' میں تدوین شدہ لغت کے حصے قسطوں میں شائع ہوئے اور آخر پر ۱۹۷۳ء میں انجمن ہی کے اہتمام سے اس لغت کی پہلی جلد شائع ہوئی جو ''آ گ'' تک کے الفاظ پر مشتمل ہے۔ یہ لغت اس لیے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ مولوی صاحب جیسے ماہر کی کوشش کا نتیجہ ہے جو کہ اردو کو دیگر ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے عمر بھر مصروف رہے۔ اس لغت کا مقدمہ خصوصی طور پر قابل توجہ ہے۔ اس میں مولوی صاحب نے لغت نگاری کو سائنسی اور معروضی بنیادوں پر اختیار کرنے کے لیے اصول وضوابط قلمبند کیے ہیں جو کہ نہ صرف اس لغت کی امتیازی شان ہیں بلکہ آئندہ کے لغت نگاروں کے لیے ہدایت کا حکم رکھتے ہیں۔ دراصل بابائے اردو انگریزی کی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری

(OED) کی طرز پر تاریخی اصولوں پر مبنی لغت کی تدوین کرنا چاہتے تھے۔ بابائے اردو اور دیگر اکابرین زبان کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۴ جون ۱۹۵۸ء میں پاکستان میں ترقی اردو بورڈ کے نام سے ایک ادارہ تشکیل دیا گیا[۴۰] (جو کہ بعد میں لغت بورڈ میں تبدیل کیا گیا) اور ۳۰ جولائی ۱۹۵۸ء میں لغت کی تدوین کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کی سفارشات کو بورڈ نے فروری ۱۹۵۹ء میں منظور کیا۔ مارچ ۱۹۵۹ء میں لغت کے لیے عملے کا تقرر ہوا اور ڈاکٹر عبدالحق مدیر اعلیٰ اور جوشؔ ملیح آبادی ادبی مشیر مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالحق ۱۹۶۱ء تک بحیثیت مدیر اعلیٰ رہے اور ۱۹۸۴ء تک مختلف اوقات میں ڈاکٹر شوکت سبزواری، جناب نسیم امروہوی اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اس کے مدیر اعلیٰ اور مدیر اول رہے۔ لغت کے عملے کے علاوہ ۲۵۰ بیرونی افراد نے بھی اس کام میں تعاون دیا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ ۱۹۷۷ء میں اس کی پہلی جلد ''اردو لغت تاریخی اصول پر'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت تک تقریباً چودہ لاکھ الفاظ مع اسناد کے کارڈ مرتب شکلوں میں جمع کیے گئے تھے جو ڈھائی ہزار کتابوں، رسالوں اور مخطوطوں کے مطالعے کے بعد مع حوالہ تیار کیے گئے تھے[۴۱]۔ اس لغت کا بنیادی تفاعل تاریخی ہے یعنی اس میں اردو زبان کو تین ادوار میں تقسیم کر کے الفاظ کے ہیئتی اور معنیاتی ارتقا نیز قواعدی اختلافات اور تصرفات کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس کے ثبوت میں نظم و نثر سے اسناد دی گئی ہیں۔ پہلا دور دکنی دور ہے جو کہ ولیؔ اور سراجؔ اورنگ آبادی پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرے دور میں غالبؔ تک اور تیسرے دور میں عہد حاضر کے مصنفین کا احاطہ کیا گیا ہے[۴۲]۔

پاکستانی لغت کی طرز پر ہندوستان میں بھی ایک جامع لغت کی تدوین کے لیے حکومت ہند کے مرکزی اردو ترقی بورڈ (ترقی اردو بیورو) نے ۱۹۷۳ء سے کام شروع کیا۔ ایک پانچ رکنی بورڈ کی حیثیت میں جناب مالک رام پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مسعود حسین خاں، پروفیسر آل احمد سرور اور پروفیسر مختار الدین احمد کو اس لغت کی پانچ جلدیں ترتیب دینے کا کام سپرد گیا گیا۔ لیکن ان حضرات کے درمیان تال میل کے فقدان اور دفتری طوالت کی بناء پر جنوری ۱۹۸۳ء میں یہ کام پروفیسر مسعود حسین کو ہی سونپا گیا۔ ابھی اس کی صرف ایک جلد (تیسری جلد د تا ع) ہی مکمل ہوسکی اور یہ کام ایک بار پھر تعطل میں پڑ گیا[۴۳]۔ البتہ ترقی اردو بیورو دہلی نے ہی ۱۹۸۷ء میں ''مختصر اردو لغت'' شائع کی جو کہ ۳۰×۲۰×۸ سائز کے ۹۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ منظوم نصاب ناموں سے اردو لغت نگاری کا سلسلہ شروع ہوا جس کو آگے بڑھانے میں اہل زبان حضرات کے علاوہ غیر ملکی اصحاب نے کافی اہم کردار ادا کیا۔ لیکن یہ تمام کوششیں انفرادی نوعیت کی تھیں۔ زمانہ حاضر میں جبکہ علوم وفنون نے کافی ترقی کی ہے اور زبان کے تغیر پذیر ہونے کے امکانات زیادہ روشن ہو رہے ہیں ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو کہ ایک مسلسل لغت Unendable Dictionary کی تالیف میں سرگرم ہو جائے تاکہ زبان میں ہونے والے اضافوں اور تغیرات کا ریکارڈ رکھا جائے۔

حواشی:

۱: بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ۔ ۶۵۔

۲: بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ ۶۵، اس لغت کے اب تک پانچ ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ پانچواں ایڈیشن کارخانہ میں پیسہ اخبار نے ۱۹۲۵ء میں شائع کیا۔

۳: بحوالہ ڈاکٹر ہاشمی ۲۶۔ اس میں اندرجات حروف تہجی کی ترتیب سے درج کئے گئے ہیں۔ نیز محاورات کی سند میں اساتذہ کے کلام سے شواہد پیش کئے گئے ہیں۔

۴: منشی چرنجی لال ڈاکٹر فیلن کے اسٹاف میں رہ چکے تھے۔ اس فرہنگ میں تقریباً دس ہزار محاورات درج ہیں جن میں بیشتر کی وجہ تسمیہ بھی دی گئی ہے۔

۵: مولوی عبدالحق۔ رسالہ اردو۔ جنوری اپریل ۱۹۵۹ء بحوالہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی۔ (لکھنؤ کی لسانی خدمات ۳۹)۔ عاشق لکھنوی کا پورا نام مرزا محمد میر تقی عرف مچھو بیگ عاشق لکھنوی تھا۔ پیدائش ۱۸۶۴ء اور وفات ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ عاشق کی یہ فرہنگ اوسط تقطیع کے ۲۱ صفحات پر 'الف' کے الفاظ پر مشتمل ہے۔

۶: مولوی سید احمد دہلوی نے اپنی لغت فرہنگ آصفیہ کے دیباچے (ترقی اردو بیورو تیسرا اڈیشن ۱۹۹۰ء، ۱۸ تا ۲۱) میں اپنے حسب ونسب کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے جس کے مطابق ان کی پیدائش ۹ر محرم الحرام ۱۲۶۲ھ مطابق ۸ر جنوری ۱۸۴۶ء کو کوچہ بلاقی بیگم میں ہوئی۔

۷: نواب مظہر الدین خان (سر آسمان جاہ) نظام سلطنت آصفیہ (دکن) کے ساتھ مولوی صاحب کی ملاقات ۱۸۸۸ء میں شملہ میں ہوئی۔ انہوں نے مولوی صاحب کو پانچ سو روپے بطور انعام اور تین ہزار ایک سو روپے بطور خریداری ''ہندوستانی اردو لغات'' (جلد اول، دوم) عطا کیے۔ ہندوستانی اردو لغات اصل میں 'ارمغان' دہلی کا خلاصہ ہے جو کہ مولوی صاحب نے تالیف کی تھی اور جس میں الفاظ ومحاورات واصطلاحات مع وجہ تسمیہ وزمانۂ تکوین اور دیگر معلومات ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے بعد میں اس بسیط لغت کا خلاصہ ''ہندوستانی اردو لغات'' کے نام سے

ماہوار رسائل میں شائع کیا، جسے آخر پر نظام دکن کی سرپرستی کے شکریہ کے طور پر سلطنت آصفیہ سے معنون کر کے ''فرہنگ آصفیہ'' نام رکھا۔ (دیباچہ فرہنگ آصفیہ)۔ ارمغان دہلی اب دستیاب نہیں ہے۔ قاضی عبدالودود (خدا بخش لائبریری جرنل ۱۹۷۷ء) کا قیاس ہے کہ وہ مولف کا مکان ۱۹۱۲ء میں نذر آتش ہونے کی وجہ سے جل گئی ہوگی۔ لیکن مولف آصفیہ نے ۱۹۱۶ء میں تحریر کیے گئے دیباچے میں اس کی دستیابی کا تذکرہ کیا ہے۔ (دیباچہ آصفیہ اول ۷)

۸: اصل میں فرہنگ آصفیہ کی تکمیل ۱۸۹۲ء میں ہی ہوئی تھی اور خاتمہ بھی اُسی وقت لکھا گیا تھا۔ لیکن بعد میں جلد چہارم کی طباعت ۱۹۰۰ء اس کا اختتام قرار پایا گیا۔ مولوی صاحب نے لغت کا جو اختتامیہ لکھا وہ یوں ہے۔

''چونکہ ۲۷ نومبر ۱۸۹۲ء مطابق ۶ / جمادی الاول ۱۳۱۰ھ موافق ۸ / اگھن ۱۹۴۹ سمت بکرمی بروز یک شنبہ یعنی آفتاب عالم تاب کے دن اس کتاب فیض انتساب نے تکمیل پائی۔ لہذا حضرت آفتاب (۱۸۹۲) تاریخ عیسوی، تسخیر دِلہا (۱۳۱۰) تاریخ ہجری، باغ دلپذیر (۱۹۴۱) تاریخ سمت ظہور میں آئی اور بلحاظ اشاعت اس وجہ سے جلد چہارم یعنی اخیر جلد ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ الفاظ دلپذیر ٹھہری مگر تاریخ ہجری اس طرح نظم کر دی گئی۔

عمر سی سال را تلف کردم　　زیں سپس ایں کتاب ساختہ شد
بود اندیشہ، من اہتمام　　سال تاریخ عمر باختہ شد

(فرہنگ آصفیہ جلد سوم ۲۵۴۹)

۹: دیباچہ فرہنگ آصفیہ۔ جلد اول ۷، ترقی اردو بیورو دہلی ۱۹۹۰ء۔ لطف کی بات ہے کہ جس طرح مولف ''آصفیہ'' نے ''امیر'' اور ''نور'' پر سرقے کا الزام لگایا ہے بعینہ صاحب امیر اللغات نے بھی جلالؔ کی لغت ''سرمایہ زبان اردو'' (۱۸۸۰) کے بارے میں یہی الزام لگایا ہے۔ رشید حسن خان (زبان اور قواعد ۲۳۵) نے مولوی سید احمد اور امیر مینائی کے محولہ بالا الزامات کو بزرگوں کے ''مزاح المومنین'' سے تعبیر کیا ہے۔

۱۰: مولوی عبدالرزاق کانپوری۔ یادِ ایام ۱۵۴، بحوالہ رشید حسن خان۔ زبان اور قواعد ۱۸۱

۱۱: مولوی عبدالحق۔ مقدمہ جدید اردو لغت۔ اردو سہ ماہی کراچی۔ ۲۵، ۱۹۵۹ء

۱۲: امیر احمد نام اور امیر تخلص تھا۔ ۱۸۲۹ء میں ولادت ہوئی۔ عربی فارسی کے علاوہ طب، نجوم وغیرہ سے بھی دلچسپی تھی۔ غدر سے پہلے شاہانِ اودھ اور بعد میں والیِ رام پور سے وابستہ رہے۔ آخری ایام میں داغ کے بلاوے پر حیدرآباد گئے اور وہیں ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا۔ امیر مینائی کی شاعرانہ حیثیت بھی مسلم ہے۔ انہوں نے متعدد دیوان، مثنویاں اور تذکرے یادگار چھوڑے ہیں۔

۱۳: احسن اللہ ثاقب۔ مقدمہ مکاتیب امیر مینائی، ۲۹۔ (طبع دوم)

۱۴: ڈاکٹر ابو محمد سحر۔ مطالعہ امیر ۲۱۴۔ نسیم بک ڈپو لکھنو۔ ۱۹۶۵ء۔

۱۵: ثاقب۔ مقدمہ مکاتیب امیر مینائی ۲۹۔

۱۶: رشید حسن خان۔ زبان اور قواعد۔ ۳۸۲

۱۷: بحوالہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی۔ لکھنو کی لسانی خدمات ۴۴۔

۱۸: ڈاکٹر ابو سحر۔ مطالعہ امیر۔ ۲۱۶۔

۱۹: ثاقب۔ مکاتیب امیر مینائی۔ ۱۳۱۔

۲۰: میکش حیدرآبادی۔ یادگار امیر مینائی، ۱۰، بحوالہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی ۴۵۔

۲۱: ڈاکٹر سحر۔ مطالعہ امیر۔ ۲۱۶۔

۲۲: ممتاز علی آہ۔ سوانح امیر ۱۱۳، بحوالہ رشید حسن خان زبان اور قواعد۔ ۳۷۷

۲۳: دیباچہ فرہنگ آصفیہ ۷۔

۲۴: امیر مینائی۔ مکتوب بنام مہدی حسن خان شاداب۔ مشمولہ مکاتیب امیر مینائی۔ از ثاقب۔

۲۵: مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوری کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد مختلف سرکاری عہدوں پر فائض رہے۔ اس کے باوجود تصنیف و تالیف سے شغف رہا۔ ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔

۲۶: ڈاکٹر محمد ضیا الدین انصاری۔ اردو فرہنگ نویسی کا تاریخی جائزہ۔ مشمولہ مجلّہ غالب نامہ جلد۔ ۹ شمارہ (۱) جنوری ۱۹۸۸ء۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی۔

۲۷: ڈاکٹر مسعود ہاشمی۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ۔ ۱۱۹

۲۸: ڈاکٹر حامد اللہ ندوی۔ لکھنؤ کی لسانی خدمات۔ ۸۱۔

۲۹: ایضاً۔ ۸۲۔۸۳۔

۳۰: ایضاً۔ ڈاکٹر ندوی کے مطابق مُنیرؔ کا سن پیدائش اور وفات نامعلوم ہے۔ البتہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ ان کی تمام تالیفات ۱۹۳۰۔۳۱ء میں مطبع مجیدی کانپور سے شائع ہوئیں جہاں وہ ملازم تھے۔ منیرؔ محمد حنیف علی رعبؔ کے شاگرد تھے اور رعبؔ جلالؔ کے۔

۳۱: خواجہ عبدالحمید لاہور کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ پولیس کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد "جامع للغات" کی تالیف میں مشغول ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں اس کی اشاعت شروع کی۔ ۱۹۳۵ء میں اسی لغت کی چوتھی اور آخری جلد شائع کی۔ وارث سرہندی (کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ۔ دوم ۲۴۰) کے مطابق اس کے بعد اس کی باقاعدہ اشاعت کا اہتمام نہیں ہوا لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ قیاس ہے کہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور نے اسے دوبارہ شائع کیا۔

۳۲: وارث سرہندی۔ کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ (دوم) ۲۲۶۔

۳۳: مرزا جعفر علی خان اثرؔ عزیزؔ لکھنوی (صاحب عزیز اللغات) کے شاگرد تھے۔ بی اے پاس کرنے کے بعد ملازمت اختیار کی اور ہوم منسٹری تک مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ مختلف مجموعے بھی منظر عام پر آگئے۔ تنقید نگاری پر بھی بعض کتابیں لکھیں لیکن فرہنگ اثر ان کا اہم لغاتی تنقید کا کام ہے۔

۳۴: مہذب لکھنوی۔ پیدائش (۱۹۰۹ء) صدر انجمن محافظ اردو کی حیثیت سے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والی ۲۲ کتابوں کے مصنف و مولف ہیں۔

۳۵: فرہنگ اثر۔ سرفراز قومی پریس۔ ۹۸۰۔

۳۶: مقدمہ "مہذب اللغات" میں مؤلف نے خود ہی قول فیصل کی صراحت کی ہے۔ "قول فیصل کے متعلق بعض حضرات کو شاید کچھ غلط فہمی ہو۔ لہذا اتنا ظاہر کر دینا کافی ہے کہ قول فیصل میں کسی خاص لغت (لفظ) کے متعلق جو کچھ ہے وہ کہا گیا ہے۔ کہیں مؤلف کی رائے پر مشتمل ہے اور کہیں صرف ایک نوٹ کا فائدہ

دیتا ہے‘‘۔

۳۷: ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری۔ مشمولہ مجلّہ غالب نامہ۔ ۱۳۶۔ ۳۷

۳۸: ایضاً۔

۳۹: سید ہاشمی فرید آبادی۔ بحوالہ ڈاکٹر مسعود ہاشمی ۱۷۹۔ ۸۰، بابائے اردو ۱۹۳۰ء میں اورنگ آباد کالج کی صدارت سے سبکدوش ہوئے اور بعد میں حکومت حیدر آباد نے نہیں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کا صدر مقرر کیا اور دس برس کے لیے بارہ ہزار روپے (سکہ عثمانیہ) کی خاصی امداد منظور کی تا کہ وہ اردو کی لغت کلاں ترتیب دیں۔

۴۰: بورڈ کے کام کی دو شقیں تھیں۔ اول یہ کہ لسانی اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر آکسفورڈ (ڈکشنری کلاں) کے نمونے پر اردو کی جامع لغت کی تدوین اور دوم یہ کہ ایسے مزید اقدامات جو اردو کی ترقی کے لیے مفید ہوں۔ ۱۹۳۹ء میں ایک خصوصی کمیٹی نے شِق نمبر ۲ کے تحت سترہ (۱۷) تجاویز پیش کیں۔ لیکن حکومتِ وقت نے تدوین لغت کے علاوہ باقی کاموں کو التواء میں رکھا۔

۴۱: محمد ہادی حسن۔ مقدمہ اردو لغت۔ (کراچی)۔

۴۲: ایضاً۔

۴۳: ڈاکٹر مسعود ہاشمی۔ اردو لغت کا تنقیدی جائزہ۔ ۲۲۰

# اشاریہ


## (آ)

آتش حیدر علی: ۱۹۲

آدم (ڈاکٹر): ۱۶۵

آرتھر ٹام میک: ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۵۳، ۵۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰۔

آرزو خان: ۹۹، ۱۰۰، ۱۳۹، ۱۴۵، ۱۴۶۔

آزاد محمد حسین: ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۵۵۔

آہ ممتاز علی: ۱۸۸۔

## (ا)

ابن الاعرابی: ۶۲، ۷۷

ابن خلدون (علامہ): ۷۲، ۷۵، ۸۲۔

ابن درید: ۶۲، ۶۳، ۶۷۔

ابن سیدہ: ۶۴، ۷۸، ۷۹۔

ابن فارس: ۷۰، ۷۱، ۷۳، ۸۱، ۸۳۔

ابن قطبیہ: ۶۲۔

ابن منظور: ۶۲۔

ابن ندیم: ۵۷، ۷۵، ۷۷، ۱۰۴۔

ابن ولید: ۷۰۔

ابوالقاسم: ۷۲، ۷۸۔

ابوزیاد: ۶۲، ۷۷۔

ابوعبیدہ: ۶۲، ۷۴، ۷۶، ۷۷۔

ابومحمود: ۷۰۔

ابوحفص: ۸۵۔

ابی جعفر احمد بن علی: ۸۵۔

اثر جعفر علی خان: ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۵۔

اجے چند بھٹناگر: ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲۔

ادیب مسعود حسین رضوی: ۱۳۹، ۱۴۲۔

اصفہانی مرزا ابراہیم: ۸۷، ۹۳۔

اصفہانی شمس الدین: ۱۰۲، ۱۰۳۔

اکبر بادشاہ: ۹۲، ۹۳

الازہری: ۶۳، ۶۴، ۶۷، ۷۷۔

الاصمعی: ۵۳، ۶۱، ۶۲، ۷۴، ۷۶۔

البیرونی ابوریحان: ۱۳۳۔

الجوالیقی: ۷۰۔

الجوہری ابونصر اسماعیل: ۵۲، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۷۳، ۷۴، ۷۹، ۸۶، ۹۴۔

الخلیل بن احمد: ۵۲، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۵، ۷۶۔

الدوئلی ابوالاسود: ۵۷، ۵۸، ۷۴، ۷۵۔

الذبیانی النابغہ: ۷۴۔

الرضوی: ۶۶۔

الزبیدی:۶۱، ۷۵، ۷۶، ۷۷۔

الزمخشری:۷۲، ۷۳، ۸۲۔

السجستانی ابوبکر: ۷۰، ۷۱۔

السیوطی جمال الدین: ۷۸۔

الشیبانی: ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۸۰، ۸۱۔

الصاحب: ۶۳، ۶۴، ۷۸۔

الفرک اُباٹ: ۱۰۷، ۱۲۵۔

الفیروزآبادی: ۶۷، ۸۰۔

القالی: ۶۴۔

القفطی: ۶۹، ۷۸، ۸۱۔

امراءالقیس: ۶۲، ۷۴۔

انجم انجمن آراء: ۳۶۔

انصاری ضیاءالدین: ۹۳، ۱۰۲۔

انکلِل دیوپروں: ۱۶۰، ۱۷۵۔

انوری: ۹۳۔

اوانزبرگ: ۲۹، ۳۹۔

اوانزولیم: ۴۰۔

اوسلٹن این۔ای: ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸۔

(ب)

بخاری حضرت امامؒ: ۷۱۔

بدرابراہیم: ۹۴، ۱۳۵۔

بدرمحمد دھاروال: ۹۲، ۱۳۵۔

برکاتی فرید (ڈاکٹر): ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۹۸۔

برنی ضیاءالدین: ۱۳۷۔

بُرہان محمد حسین انجوی: ۹۴، ۹۶، ۱۰۳، ۱۰۴۔

بلنجی فضل الدین: ۱۳۵، ۱۴۹، ۱۵۰۔

بلگرامی: ۱۴۶۔

بوولنگر: ۳۲۔

بہارٹیک چند: ۱۰۰۔

بیابانی اشرف: ۱۴۰، ۱۴۱۔

بیٹس۔جے۔بی: ۱۶۸، ۱۶۹۔

بیری۔ٹی۔ای: ۱۱۷، ۱۲۷۔

بیگ مرزا خلیل: ۱۳۴، ۱۴۹۔

بیلی نیتھنل: ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۲، ۱۲۷۔

بیہقی ابوجعفر: ۸۵۔

(پ)

پاسوفرنز: ۱۲۹۔

پرتھوی راج: ۱۳۳۔

پلیٹس: ۳۸، ۱۸۶، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۹۔

(ت)

تاجر سلیمان: ۱۳۲۔

تبریزی محمد کریم: ۸۸۔

تتھوی عبدالرشید: ۹۵۔

تجلی: ۱۴۳۔

تعلق محمد: ۱۰۲، ۱۳۴۔

(ٹ)

ٹرنچ مسٹر: ۳۵، ۱۲۲۔

ٹیپوسلطان: ۱۷۵۔

ٹیلر کپتان جوزف: ۱۶۴۔

(ث)

ثاقب احسن اللہ: ۱۸۶۔
ثریا حسین (پروفیسر): ۱۷۵۔
ثنائی حکیم: ۹۳، ۱۳۷، ۱۷۳۔

(ج)

جالبی جمیل (ڈاکٹر): ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴۔
جان جوزف: ۱۵۷۔
جانسن سموئیل: ۲۹، ۳۴، ۴۱، ۱۱۳۔
جلال ضامن علی: ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۵، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۳۔
جان جوشوا (کٹلر): ۱۵۸، ۱۷۴۔
جونز ولیم: ۱۶۵، ۱۷۷۔
جہانگیر (بادشاہ): ۹۱، ۹۴، ۱۰۳، ۱۵۷۔
جیکسن: ۳۴، ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۵، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰۔
جیمنس جان: ۱۲۹۔

(چ)

چسٹر فیلڈ (لارڈ): ۱۲۷۔

(ح)

حاج خلیفہ: ۸۵۔
حقی شان الحق: ۴۰، ۱۶۸۔
حکمت اصغر علی: ۹۱، ۱۰۳۔
حیدر غازی الدین: ۹۹۔
حیدری اکبر کاشمیری: ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۵۴۔

(خ)

خاقانی: ۹۳، ۹۴۔
خان رشید حسن: ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۸۶، ۲۰۳۔
خان غلام عمر: ۱۹۸۔
خان نواب کلب علی: ۱۸۵، ۱۸۸۔
خان مسعود حسین: ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۴۹، ۱۹۸، ۲۰۱۔
خان نواب مشتاق: ۱۸۸۔
خان نواب مظہر الدین (سر آسمان جاہ): ۲۰۲
خان محمد یوسف علی: ۱۸۸۔
خاور جیرو: ۱۵۷۔
خسرو امیر: ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۵۰، ۱۵۱۔
خسرو ضیا الدین: ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۵۱۔
خسرو ناصر: ۹۵۔
خلجی علاء الدین: ۹۳، ۱۰۲، ۱۳۴۔
خیرات رفیع حاجب: ۹۳، ۱۳۵۔

(د)

داسلد انہ (Dasaldana): ۱۵۸۔
داغ دہلوی: ۱۸۳، ۱۸۴۔
دتاسی گارسان: ۱۷۵، ۱۷۷۔
درویش اے: ۷۱، ۷۲، ۷۹، ۸۰، ۸۲۔

دہخدا آقا علی: ۸۸، ۱۰۳۔
دہلوی سید احمد (مولوی): ۱۸، ۱۷۸، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۰۳۔
دیوبندی مولوی ذوالفقار: ۱۴۹۔

(ذ)

ذوقؔ: ۱۹۲۔

(ر)

راغب رحمانی: ۶۷۔
رامپوری محبوب علی: ۱۴۶۔
رچرڈسن چارلس: ۱۲۱، ۱۲۲۔
رسول اللہ ﷺ: ۱۴۹۔
رشک میر علی اوسط: ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۵۔
روبک تھامس: ۱۰۴، ۱۶۲، ۱۷۶۔
رودکی: ۸۵، ۹۰۔
رومیؔ جلال الدین: ۹۳

(ز)

زیاد: ۵۷۔

(س)

سبزواری شوکت (ڈاکٹر): ۲۰۰۔
سحر ابومحمد (ڈاکٹر): ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷۔
سراج اورنگ آبادی: ۲۰۰۔
سرور آل احمد (پروفیسر): ۲۰۱۔
سروری محمد بن قاسم: ۸۷، ۹۱۔
سرہندی وارث: ۳۶، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۳۔
سعدیؔ: ۹۳۔
سقراط: ۳۱۔
سودا: ۱۶۳، ۱۸۰۔
سوزنی سمرقندی: ۹۳۔
سیبویہ: ۵۸، ۷۵۔
سید جابر علی: ۱۶۶، ۱۷۸۔
سید حسن: ۱۰۳۔
سید سعادت علی: ۹۸۔
سید عبداللہ (ڈاکٹر): ۱۳۲، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۴۔
سید والہ: ۱۴۳۔

(ش)

شاہ اسحٰق: ۹۳۔
شاہین امیر اللہ: ۱۷۲، ۱۸۰۔
شایان ذکاء الدین: ۳۶، ۳۷، ۵۳، ۱۹۸۔
شہاجہاں: ۱۶۳۔
شفق رضازادہ: ۹۰۔
شفق لالتا پرشاد: ۱۹۱۔
شمس منشی: ۸۷۔
شیبانی فتح اللہ: ۹۸۔
شیرازی آغا احمد علی: ۹۹۔
شیرازی فرحت اللہ: ۹۸۔
شیرانی حافظ محمود: ۱۰۲، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱،

۱۵۲،۱۵۳۔
شیکسپیئر جان: ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۴۶، ۱۶۹، ۱۷۲،
۱۷۳،۱۷۷،۱۸۰۔

(ص)

صبیان اسماعیل فرخ: ۱۴۳۔
صدیقی ابواللیث: ۱۵۷، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۷،
۲۰۰۔
صدیقی محمد عتیق: ۱۷۵، ۱۷۶۔
صہبائی امام بخش: ۱۸۱۔

(ط)

طوسی اسدی: ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۳۔

(ظ)

ظہیر ابن ابی سلمہ: ۷۴۔

(ع)

عاشق لکھنوی: ۱۸۱، ۲۰۲۔
عباسی محمد امین: ۱۳۹، ۱۴۰۔
عبدالحق (مولوی): ۲۱، ۳۳، ۳۶، ۳۷، ۱۳۸،
۱۴۱، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۸،
۱۶۹، ۱۷۴، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۲۔
عبدالرحمٰن ثالث: ۶۴
عبدالکریم: ۹۹۔
عبدالحمید (خواجہ): ۱۹۳، ۲۰۵۔
عطارؔ: ۹۳۔
عرشی امتیاز علی خان: ۱۹۸۔
عزیز جنگ: ۱۰۰۔
علمان اسٹیفن: ۲۴۔
عسکری فیاض: ۱۴۳۔
علوی محمد رضوان: ۷۴، ۷۵۔
علی حضرتؓ (بن ابی طالب): ۵۷، ۵۸۔
عمر بن کلثوم: ۷۴۔
عمید حسن: ۷۹، ۹۱۔

(غ)

غالبؔ مرزا اسداللہ: ۹۶، ۹۸، ۹۹، ۱۰۵، ۱۴۴،
۱۵۳، ۱۶۲، ۱۹۲، ۲۰۰۔
غزالیؔ امامؒ: ۷۲۔
غزنوی فخرالدین قواس: ۹۳۔
غزنوی محمود: ۱۳۲، ۱۳۳۔
غوری محمد: ۱۳۳۔
غیاث الدین: ۱۰۰۔

(ف)

فارابی ظہیر: ۹۳۔
فاربس ڈنکن: ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۷۔
فاروقی ابراہیم بن قوام: ۱۳۵۔
فاروقی شمس الرحمٰن: ۲۸، ۳۶، ۳۹۔
فراحی ابونصر: ۱۵۰۔
فردوسی: ۹۵۔
فرگوسن جارج: ۱۵۹۔
فرنیوال فریڈرک: ۱۲۳، ۱۳۰۔
فیلن، ایس، ڈبلیو: ۴۴، ۵۴، ۱۶۶، ۱۶۷،
۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۸، ۱۸۴، ۱۸۵، ۲۰۲۔

(ق)

قادری شمس الدین: ۱۵۰۔

قدوائی صدیق الرحمٰن: ۱۲۶۔

قطب شاہ عبداللہ: ۱۰۳۔

(ک)

کاوڑرے رابرٹ: ۱۱۰، ۱۲۴، ۱۲۶۔

کرمانی سید مبارک: ۱۳۷۔

کعب بن زہیر: ۱۳۱، ۱۳۹۔

کرنولی طاہر شاہ: ۱۴۳۔

کلیم الدین احمد: ۱۹۸۔

کورج (مسٹر): ۱۵۶۔

کولرج ہربرٹ: ۱۲۳، ۱۳۰۔

کیرسی جان: ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۲۶، ۱۲۷۔

کیلکر، اشوک۔آر: ۳۰، ۴۰، ۴۷، ۴۹، ۵۴، ۵۵۔

کیفی حنیف (ڈاکٹر): ۱۷۹۔

(گ)

گرم جیکب: ۲۹، ۱۲۹۔

گرم ولیم: ۱۲۹۔

گریرسن: ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۷۴۔

گل کرسٹ جے۔بی: ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶۔

گریوز مورس: ۱۲۷۔

گووفلپ۔بی: ۱۲۰، ۱۲۸۔

گنیش داس: ۱۴۳۔

(ل)

لاآدد ہلوی: ۹۶۔

لاکوف: ۳۲، ۶۰۔

لائل الفرڈ (سر): ۱۸۵، ۱۸۸۔

لاہوری احسن: ۱۴۳۔

لاہوری شیخ اسحٰق: ۱۴۳۔

لکھنوی فطرت: ۱۷۴۔

لکھنوی عشرت: ۱۹۲۔

لکھنوی مُنیر: ۱۹۲، ۲۰۵۔

(م)

مارکن آر: ۱۲۹، ۱۳۰۔

محمد بادشاہ: ۱۰۰۔

محمد بن قاسمؒ: ۱۳۲۔

محمد معین (ڈاکٹر): ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۶، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵۔

مختار الدین احمد: ۱۷۶، ۲۰۱۔

مری جیمس: ۱۲۳، ۱۲۸، ۱۳۰۔

مسعود سعد سلمان: ۹۳، ۱۳۷۔

منشی چرنجی لال: ۱۷۸، ۱۸۱، ۲۰۲۔

منہاج سراج: ۱۳۷۔

موسیٰ: ۱۷۹۔

مولوی محمد مقبول: ۹۹، ۱۰۰۔

مولوی فیروز الدین: ۱۹۔

مومن: ۱۴۴۔

مہذب لکھنوی: ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۵۔

میر امن: ۱۷۷۔
میرٹھی اسماعیل: ۱۴۴، ۱۵۴۔
میرٹھی رحیم بیگ: ۹۹۔
میکش حیدرآبادی: ۱۸۷۔
مینائی امیر احمد: ۳۶، ۱۵۵، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۰۳۔

(ن)

ناسخ شیخ امام بخش: ۱۵۴، ۱۹۲۔
نارنگ گوپی چند: ۳۶۔
ندوی حامد اللہ: ۱۵۵، ۲۰۲۔
ندوی سید سلیمان: ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۵۳۔
ندوی نجیب اشرف: ۱۳۸، ۱۵۳۔
نذیر احمد (پروفیسر): ۹۶، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۳۵، ۱۴۹، ۱۵۲، ۲۰۱۔
نسیم امروہوی: ۲۰۰۔
نشتر: ۱۴۷۔
نظامی: ۹۴۔
نفیسی سعید: ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵۔
نورجہاں (ملکہ): ۱۶۳۔
نورجہاں: ۸۸۔
نیر نورالحسن: ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵۔

(و)

واعظ تقی: ۸۸۔
ولی: ۲۰۰۔
ویبسٹر نوح: ۲۹، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۸۔
ویگلز: ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۲۷۔

(ہ)

ہاشمی مسعود (ڈاکٹر): ۱۰۲، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۶، ۱۷۷، ۲۰۲۔
ہانسوی عبدالواسع: ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۴۔
ہدایت قلی: ۸۸، ۹۶۔
ہرٹ مین (R.R.K): ۲۲، ۳۱، ۳۷، ۳۹، ۴۰۔
ہروی حکیم یوسف: ۱۴۱، ۱۴۲۔
ہٹنگز وارن: ۱۶۱۔
ہنٹر ولیم: ۱۶۵۔
ہورینی ابوالوفا: ۱۸۔
ہولائٹ رچرڈ: ۱۰۹۔
ہیڈلے جارج: ۱۵۹، ۱۷۴۔
ہیرس ہنری: ۱۵۹۔
ہیم چند:
ہے وَڈ جے۔اے: ۶۷، ۶۹، ۷۲، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۵، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۵، ۱۰۳، ۱۲۶۔

(ی)

یوسف۔ایس۔ایم: ۶۰، ۶۳، ۷۲، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۸۲۔

# کتابیات (اُردو)



| نمبر شمار | مصنف/مرتب | نام کتاب | ناشر/مطبع | سن اشاعت |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | آزاد محمد حسین | آبِ حیات | ترقی اردو بیورو دہلی | ۱۹۸۳ء |
| ۲۔ | آزاد محمد حسین | سخندانِ فارس | مطبع مفید عام لاہور | ۱۹۰۷ء |
| ۳۔ | ابنِ خلدون علامہ عبدالرحمٰن (مترجمہ راغب رحمانی) | مقدمہ ابن خلدون (دوم) | اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی | ۱۹۸۷ء |
| ۴۔ | انجم انجمن آرا (ڈاکٹر) | فکر و آگہی | ایجوکیشنل بک ہاوس علیگڑھ | ۱۹۹۲ء |
| ۵۔ | انشاء میر انشاء اللہ خان (مترجمہ، پنڈت کیفی، مرتبہ عبدالحق) | دریائے لطافت | انجمن ترقی اردو ہند طبع دوم | ۱۹۸۸ء |
| ۶۔ | برکاتی فرید (ڈاکٹر) | فرہنگ کلیاتِ میر (مع مقدمہ و حواشی) | آفیسٹ پریس گھورکھپور | ۱۹۸۸ء |
| ۷۔ | بیدی، ایس۔ کے | تین ہندوستانی زبانیں | کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی | ۱۹۶۱ء |
| ۸۔ | بیگ مرزا خلیل احمد (ڈاکٹر) | اردو کی لسانی تشکیل | شعبۂ لسانیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ | ۱۹۸۵ء |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۹۔ | ثریا حسین (پروفیسر) | گارسین دتاسی | اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو | ۱۹۷۴ء |
| ۱۰۔ | جالبی جمیل (ڈاکٹر) | تاریخ ادب اردو | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی | |
| ۱۱۔ | خان اقتدار حسین (ڈاکٹر) | اردو صرف و نحو | ترقی اردو بیورو دہلی | ۱۹۸۵ء |
| ۱۲۔ | خاں رشید حسن | اردو املا | نیشنل اکاڈمی دریا گنج دہلی | ۱۹۷۴ء |
| ۱۳۔ | خاں رشید حسن | زبان اور قواعد | ترقی اردو بورڈ نئی دہلی | ۱۹۷۶ء |
| ۱۴۔ | خاں مسعود حسین (پروفیسر) | مقالاتِ مسعود | ترقی اردو بیورو دہلی | ۱۹۸۹ء |
| ۱۵۔ | سبزواری شوکت (ڈاکٹر) | داستانِ زبان اردو | چمن بک ڈپو دہلی | |
| ۱۶۔ | سحر ابو محمد (ڈاکٹر) | مطالعۂ امیر | نسیم بک ڈپو لکھنو | ۱۹۶۵ء |
| ۱۷۔ | سحر ابو محمد (ڈاکٹر) | اردو املا اور اس کی اصلاح | مکتبۂ ادب مالویہ نگر بھوپال | ۱۹۸۲ء |
| ۱۸۔ | سحر ابو محمد (ڈاکٹر) | زبان و لغت | مکتبۂ ادب مالویہ نگر بھوپال | ۱۹۸۳ء |
| ۱۹۔ | سرور آل احمد (مرتبہ) | علی گڑھ تاریخ ادب اردو | شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ | |
| ۲۰۔ | سرہندی وارث (حواشی و تعلیقات شان الحق حقی) | کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ (دوم) | مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد پاکستان | ۱۹۸۶ء |
| ۲۱۔ | سرہندی وارث | کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ (سوم) | ایضاً | ۱۹۶۷ء |
| ۲۲۔ | سرہندی وارث | کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ (ششم) | ایضاً | ایضاً |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۲۳۔ | سید جابر علی | کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ (اول) | مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد پاکستان | ۱۹۸۴ء |
| ۲۴۔ | شاہین امیر اللہ (ڈاکٹر) | تحقیق وتنقید | موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی | ۱۹۸۶ء |
| ۲۵۔ | شایان ذکاء الدین (ڈاکٹر) | ۱۸ویں صدی کی اردو شاعری کی فرہنگ (اول) | لیتھوکلر پرنٹرس علی گڑھ | ۱۹۸۹ء |
| ۲۶۔ | شفق رضا زادہ | تاریخ ادبیات ایران | ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی (طبع ہفتم) | ۱۹۷۹ء |
| ۲۷۔ | صدیق عتیق احمد | گل کرسٹ اور اس کا عہد | انجمن ترقی اردو ہند دہلی | |
| ۲۸۔ | عبدالحق (مولوی) | قواعد اردو | انجمن ترقی اردو ہند دہلی | ۱۹۷۵ء (طبع دوم) |
| ۲۹۔ | علوی محمد رضوان | علوم وفنون عہد عباسی میں | نامی پریس لکھنو | ۱۹۸۷ء |
| ۳۰۔ | غلام ربانی | الفاظ کا مزاج | مکتبۂ جامعہ نئی دہلی | ۱۹۸۳ء |
| ۳۱۔ | کاشمیری اکبر حیدری (ڈاکٹر) | تحقیق وانتقاد | مکتبہ ادبستان زرسنگھ گڑھ سرینگر | ۱۹۶۶ء |
| ۳۲۔ | کعب ابن زہیر (شرح مولوی ذوالفقار علی) | قصیدہ بانت سعاد | کتب خانہ رحمیہ دیوبند | |
| ۳۳۔ | کیفی پنڈت برج موہن دتاتریہ | کیفیہ | انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان | ۱۹۵۰ء (طبع دوم) |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۳۴۔ | نارنگ گوپی چند (پروفیسر) | لغت نویسی کے مسائل (مرتبہ) | ماہنامہ کتاب نما، جامعہ نگر دہلی | ۱۹۸۵ء |
| ۳۵۔ | ندوی حامد اللہ (ڈاکٹر) | لکھنو کی لسانی خدمات | اجمل پریس بمبئی | ۱۹۷۵ء |
| ۳۶۔ | ندوی سید سلیمان | نقوش سلیمانی | معارف پریس اعظم گڑھ | ۱۹۲۹ء |
| ۳۷۔ | نذیر احمد (پروفیسر) | نقد قاطع برہان (معہ ضمائم) | غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی | ۱۹۸۵ء |
| ۳۸۔ | نور الحسن (ڈاکٹر) | امیر خسرو احوال و آثار | کوہ نور پریس دہلی | ۱۹۷۵ء |
| ۳۹۔ | ہاشمی مسعود (ڈاکٹر) | اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ | ترقی اردو بیورو نئی دہلی | ۱۹۹۲ء |

# لُغات

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | اردو انسائیکلو پیڈیا | فیروز سنز لاہور | کراچی، پاکستان | ۱۹۶۲ء |
| ۲۔ | اردو لغت (تاریخی اصول پر) | جلد اول تا ششم | ترقی اردو بورڈ کراچی پاکستان | ۷۷۔۱۹۸۴ء |
| ۳۔ | المنجد | (عربی، اردو) مولفہ لوئس معلوف مترجمہ سعد حسن خان وغیرہ | تاج پبلیشرز دہلی | |
| ۴۔ | المنجد فی اللغۃ | (عربی۔عربی) | دارالمشرق بیروت | ۱۹۷۳ء |
| ۵۔ | امیر اللغات (اول و دوم) | مولفہ منشی امیر احمد مینائی | مطبع مفید عام پریس آگرہ | ۹۱۔۱۸۹۲ء |
| ۶۔ | اے ڈکشنری آف کلاسیکل ہندی اردو اینڈ انگلش | مولفہ جان، ٹی پلیٹس | آکسفورڈ یونیورسٹی پریس | ۱۹۶۰ء |
| ۷۔ | اے نیو ہندوستانی انگلش ڈکشنری | مولفہ ایس، ڈبلیو فیلن | اردو سائنس بورڈ لاہور | ۱۹۷۷ء |
| ۸۔ | برہانِ قاطع | مولفہ محمد حسین بن خلف تبریزی برہان (مصح ڈاکٹر محمد معین) | کتاب فروش، ابن سینا، تہران | ۱۳۳۳ھ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۹۔ | جامع اللغات | مولفہ خواجہ عبدالحمید | جامع لغات کمپنی لاہور | ۱۹۳۵ء |
| ۱۰۔ | سرمایہ زبان اردو | حکیم میر ضامن علی جلال | اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو | ۱۹۷۴ء |
| ۱۱۔ | فرہنگ آصفیہ (جلد اول تا سوم) | مولفہ مولوی سید احمد دہلوی | ترقی اردو بیورو دہلی | ۱۹۷۴ء ۱۹۸۷ء ۱۹۹۰ء |
| ۱۲۔ | فرہنگ اثر | مولفہ جعفر علی خان اثر | سرفراز قومی پریس لکھنو | ۱۹۶۱ء |
| ۱۳۔ | فرہنگ عمید | مولفہ حسین عمید | موسۃ انتشارات امیر کبیر تہران | ۱۳۵۸ھ |
| ۱۴۔ | فیروز اللغات | مولفہ مولوی فیروز الدین | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی | ۱۹۹۲ء |
| ۱۵۔ | مہذب اللغات (۱۶ جلد) | مولفہ مہذب لکھنوی | سرفراز قومی پریس لکھنو | ۱۹۵۸ء تا ۱۹۷۹ء |
| ۱۶۔ | نوراللغات (۴ جلدیں) | مولفہ نورالحسن نیر کاکوری | نیر پریس لکھنو | ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۱ء |

# رسائل

| نمبر شمار | رسالہ | جائے اشاعت | شمارہ/ماہ وسنہ |
|---|---|---|---|
| ا۔ | آجکل (ماہنامہ) سالنامہ | دہلی | جون ۱۹۴۷ء |
| ۲۔ | اردو ادب (ماہنامہ) | علی گڑھ | شمارہ نمبر ا |
| ۳۔ | اردوے معلیٰ (لسانیات نمبر) | شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی | |
| ۴۔ | تحریک (ماہنامہ) | دہلی | جولائی ۱۹۶۵ء |
| ۵۔ | خدا بخش لائبریری جرنل | خدا بخش لائبریری پٹنہ | شمارہ ا تا ۴ ۱۹۷۷ء تا ۱۹۷۸ء |
| ۶۔ | زبان وادب (سہ ماہی) | پٹنہ | مارچ ۱۹۸۲ء |
| ۷۔ | شب خون (ماہنامہ) | رانی منڈی الہ آباد | شمارہ ۱۶۳ و ۱۶۵ |
| ۸۔ | غالب نامہ | غالب انسٹی ٹیوٹ ایوان غالب دہلی | جلد ۹، شمارہ ا، جنوری ۱۹۸۸ء |
| ۹۔ | فکر ونظر (ماہنامہ) | علی گڑھ | جولائی ۱۹۶۵ء |

# انگریزی کتب


| S.No | Author / Editor | Book | Publisher | Year |
|---|---|---|---|---|
| 1. | Arthur Tom MC | Words of Reference | Cambridge University Press | 1983 |
| 2. | Berry Thoms Eliott | The Study of Language | | |
| 3. | Burch Field Robert | Studies in Lexicography | Clavendon Press Oxford | 1981 |
| 4. | Grierson G.A. | Linguistic Survey of India | Govt. Printing Press Calcutta | 1968 |
| 5. | Haywood J.A. | Arabic Lexicography | F. J. Bill Leidon | 1965 |
| 6. | Hall (Jr.) R.A. | Introductory Languistics | Do | 1972 |
| 7. | Hurtman R.R.K (Ed) | Lexicography Principles & Practice | Academic Press London | 1983 |
| 8. | Ilson Robert (Ed) | Dictionaries Lexicography & Language Learning | Pergamon Press Oxford | 1988 |
| 9. | Jackson Howard | Words & Their Meaning | Longman London | 1988 |
| 10. | Mazhar Mohd. Ahmad | Arabic - The Source of All Languages | Review of Religious Rubwah (W. Pakistan) | 1963 |
| 11. | Qidwani Sidiq-un-Rehman | Gilchirst & Language of Hindoostan | | |
| 12 | Sharief M.M. (Ed) | A History of Muslim Philosophy, Vol. ii | Low Price Publications Delhi | 1987 |

# Dictionaries And Encyclopaedias


| | | |
|---|---|---|
| 1. | A Dictionary Part-I Hindostani & English Part-II English & Hundoostani, by Duncon Forbes | Utter Pradesh Urdu Academy Lucknow 1987 |
| 2. | Collins Concise Dictionary of English Language | Collins Sons & Co London |
| 3. | Oxford English Dictionary by H. Colridge | Clavendon Press 1933 |
| 4. | The Concise Oxford Dictionary of Current English by H.W & F.G. Fowler | Arabic Lexicography |
| 5. | The New Encyclopedia Britanica Vol-VI | 15th Edition |
| 6. | The Standard Urdu & English DIctionary by Dr. Abdul Haq | Anjimani Taraqi Urdu Hind Delhi 1992 |
| 7. | Webster's Third New International Dictionary Volume I | Encyclopedia Britani INC Chicago 1981 |

# سوانحی کوئف

نام : نذیر احمد

ولدیت : عبدالرحمان آزاد

قلمی نام : نذیر آزاد

مقام پیدائش : کوئل پلوامہ کشمیر

یومِ پیدائش : ۲۸ رجون ۱۹۵۸ء (عیدالاضحیٰ)

تعلیم : پی۔ایچ۔ڈی (اُردو)

پیشہ : ایسوسی ایٹ پروفیسر محکمہ اعلیٰ تعلیم جموں و کشمیر

سکونت : ۱۔ کوئل پلوامہ کشمیر ۱۹۲۳۰۱

۲۔ نزدیک DPS ہمہامہ سرینگر

فون : ۰۹۷۹۷۷۳۱۴۵۶، ۰۹۴۱۹۰۳۰۷۲۰، ۰۹۷۹۷۷۰۹۷۰، ۰۹۸۵۸۷۷۵۳۱۷۷

# تصانیف

۱) نغمہ زنجیر پا (اردو شعری مجموعہ) ــــــ ۱۹۹۳ء

۲) غبار (عبدالرحمٰن آزاد کے کشمیری خطوط کی ترتیب) ــــــ ۱۹۹۲ء

۳) کلیاتِ آزاد (عبدالرحمٰن آزاد کی کلیات) ــــــ ۲۰۰۹ء

۴) سبوچہ (اردو شعری مجموعہ) ــــــ ۲۰۰۹ء

۵) کشمیر میں معاصر اردو شاعری (زیرِ طبع)

۶) اردو میں لغت نگاری، اصول وضوابط (زیرِ طبع)

۷) اردو اور کشمیری کے رشتے (زیرِ طبع)

نذیر آزاد اپنی شعری اور تنقیدی صلاحیتوں کی وجہ سے دنیائے ادب میں خاصے متعارف ہیں۔ ان کے فن اور فکر میں جو بالیدگی ہے وہ کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اب تحقیق پر مبنی یہ کتاب ان کی ادبی شخصیت کے ابعاد میں مزید اضافہ کر رہی ہے۔ لغت نگاری کا فن اور اس کی تنقید مضبوط عزم، وسعت مطالعہ، علمی تحقیق اور بڑی عرق ریزی کا متقاضی ہے۔ ایسے دِقت طلب موضوع کی طرف بہت ہی کم لوگ راغب ہوتے ہیں۔ نذیر آزاد نے اس کتاب کے لیے ایسے موضوع کو چن کر اپنی امتیازی سوچ کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے لغت نگاری کی ابتدا اور ارتقا کے تعلق سے مشرق و مغرب کی روایتوں پر روشنی ڈال کر اردو زبان میں لغت نگاری اور مشہور لغات کا خاص طور پر ایک مکمل تاریخی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اردو میں شاید اس نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لغت نگاری میں دلچسپی رکھنے والے اساتذہ اور طالب علموں کے لیے یہ کتاب بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔


منیب الرحمٰن

وائس پریزیڈنٹ۔ فارین لنگویج سروسز
باسٹن لنگویج انسٹی ٹیوٹ، باسٹن، امریکہ



print & design - **tfc centre**, gawkadal, srinagar #2473818